91

سرکاری رپورٹ

بلوچستان صوبائی اسمبلی

مُباحثات

سہ شنبہ ۔ ۲۴ جون سنہ ۱۹۷۵ء

نمبر شمار	مندرجات	صفحہ
۱	تلاوت کلام پاک اور اُس کا ترجمہ	۱
۲	وقفہ سوالات	۲
۳	سالانہ بجٹ برائے سال سنہ ۷۶-۱۹۷۵ء پر عام بحث	۲۴

جلد یازدہم — شمارہ یازدہم (۱۱)

آج کے اجلاس میں مندرجہ ذیل ارکین اسمبلی نے شرکت کی

۱۔ میر چاکر خان ڈومکی
۲۔ سردار غوث بخش خان رئیسانی
۳۔ جام میر غلام قادر خان
۴۔ مسٹر محمود خان اچکزئی
۵۔ سردار انور جان کھیتران
۶۔ مولوی محمد حسن شاہ
۷۔ میر نصرت اللہ خان سنجرانی
۸۔ میر قادر بخش بلوچ
۹۔ میر صابر علی بلوچ
۱۰۔ میاں سیف اللہ خان پراچہ
۱۱۔ مولوی صالح محمد ۔
۱۲۔ میر شاہنواز خان شاہلیانی ۔
۱۳۔ میر شیر علی خان نوشیروانی ۔
۱۴۔ نوابزادہ تیمور شاہ جوگیزئی ۔
۱۵۔ میر یوسف علی خان مگسی ۔

بلوچستان صوبائی اسمبلی کا اجلاس
مورخہ ۲۴ جون ۱۹۷۵ء بروز سہ شنبہ
زیر صدارت اسپیکر سردار محمد خان باروزئی
صبح دس بجے شروع ہوا۔

تلاوت کلام پاک و ترجمہ

قاری محمد یحییٰ احسان کاکڑ

اَعُوذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیطٰنِ الرَّجِیم ۝ بِسمِ اللّٰہِ الرَّحمٰنِ الرَّحِیم ۝

اِنَّ اللّٰہَ یَاْمُرُکُمْ اَنْ تُؤَدُّوا الْاَمٰنٰتِ اِلٰٓی اَھْلِھَا وَاِذَا حَکَمْتُمْ بَیْنَ النَّاسِ اَنْ تَحْکُمُوْا
بِالْعَدْلِ اِنَّ اللّٰہَ نِعِمَّا یَعِظُکُمْ بِہٖ ۝ اِنَّ اللّٰہَ کَانَ سَمِیْعًا بَصِیْرًا ۝ یٰٓاَیُّھَا
الَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اَطِیْعُوا اللّٰہَ وَاَطِیْعُوا الرَّسُوْلَ وَاُولِی الْاَمْرِ مِنْکُمْ ۝ فَاِنْ
تَنَازَعْتُمْ فِیْ شَیْءٍ فَرُدُّوْہُ اِلَی اللّٰہِ وَالرَّسُوْلِ اِنْ کُنْتُمْ تُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰہِ
وَالْیَوْمِ الْاٰخِرِ ذٰلِکَ خَیْرٌ وَّاَحْسَنُ تَاْوِیْلًا ۝

(سورۃ النساء آیت نمبر ۵۸ تا نمبر ۵۹ پارہ نمبر ۵)

ترجمہ:۔ مسلمانو! اللہ تمہیں حکم دیتا ہے کہ امانتیں اہل امانت کے سپرد کرو۔ اور جب لوگوں کے درمیان فیصلہ کرو۔ تو عدل کے ساتھ کرو۔ اللہ تم کو نہایت عمدہ نصیحت کرتا ہے۔ اور یقیناً اللہ سب کچھ سنتا اور دیکھتا ہے۔ اے ایمان لانے والو! اطاعت کرو اللہ کی اور اطاعت کرو رسول کی جو تم میں سے صاحب امر ہوں۔ پھر اگر تمہارے درمیان

کسی معاملہ میں نزاع ہو جائے۔ تو اسے اللہ اور رسول کی طرف پھیر دو۔ اگر تم واقعی اللہ اور روز آخر پر ایمان رکھتے ہو۔ یہی ایک صحیح طریق کار ہے۔ اور انجام کے اعتبار سے بھی بہتر ہے۔

(وما علینا الا البلاغ ٥)

وقفۂ سوالات

مسٹر اسپیکر:۔ نواب زادہ تیمور شاہ جوگیزئی

نمبر ۴۲۸ نوابزادہ تیمور شاہ جوگیزئی:۔ کیا وزیر زراعت از راہ کرم بیان کریں گے کہ:۔

ضلع ژوب کے لئے اس مالی سال میں کتنے پرشین ویل آئے۔ ان کا تقسیم کا طریقہ کار کیا تھا۔ اور کس کس کو دیئے گئے۔ اور کیا وہ کام کر رہے ہیں؟

وزیر زراعت (سردار غوث بخش رئیسانی):۔ تا حال رواں مالی سال کے لئے کوئی ارہٹ خرید نہیں کئے گئے۔

نوابزادہ تیمور شاہ جوگیزئی:۔ ضمنی سوال:۔ جناب! ۴۲ ارہٹ

آئے تھے۔ وہ کس طرح تقسیم کئے گئے۔ اس پر خرچ کیا آیا۔ اور کس کس کو دیئے گئے۔ یکمشت دیئے گئے ہیں یا قسطوں میں دیئے گئے ہیں؟ لوگوں نے اسے لگایا یا نہیں اور اس کا کیا حشر ہوا۔

وزیر زراعت:۔ جناب! انہوں نے دریافت کیا تھا کہ ضلع ژوب کے لئے اس مالی سال میں کتنے پرشین دیل آئے ان کے تقسیم کا طریقہ کار کیا تھا۔ کس کس کو دیئے گئے کیا وہ کام کر رہے ہیں۔ یا نہیں تو جناب جب میں نے عرض کر دیا کہ اس مالی سال میں کوئی ارہٹ آئے ہی نہیں۔ تو تقسیم کیا ہوں گے۔

نوابزادہ تیمور شاہ جوگیزئی:۔ جو آئے ہیں اور تقسیم ہوئے ہیں۔ تو میرے خیال میں وہ آسمان سے تو نہیں گرے؟

وزیر زراعت:۔ جناب! جو ارہٹ آئے تھے اور تقسیم ہوئے تھے۔ وہ ۷۴-۱۹۷۳ء کے تھے۔

نوابزادہ تیمور شاہ جوگیزئی:۔ کچھ بھی ہو میں نے یہ نہیں پوچھا کہ ۷۴-۱۹۷۳ء کے ارہٹ۔ میں نے یہ پوچھا تھا کہ جو ارہٹ آئے تھے وہ ....

وزیر زراعت:- جناب! آپ نے مالی سال کا فرمایا تھا۔ اگر آپ ۷۳-۱۹۷۲ اور کے بارے میں معلومات حاصل کرنا چاہتے ہیں تو میں آپ کو تفصیل بتاتا ہوں کہ وہ کیسے تقسیم ہوئے۔ لوئر ژوب میں ۵، اپر ژوب میں ۱۴، کاکڑ خراسان میں ۶، اور اس کے بعد آنے والے مسلم باغ میں ۳، قلعہ سیف اللہ تحصیل میں ۸، لوئر سب ڈویژن میں ۱۶ اور شیرانی سب تحصیل میں ۲۔ اس میں ۷۲ بعد میں تقسیم کئے گئے۔

نوابزادہ تیمور شاہ جوگیزئی:- جناب والا! میں یک ضمنی سوال اور پوچھنا چاہتا ہوں کہ یہ ارہٹ جن کو دیئے گئے ہیں انہوں نے اسے لگایا یا نہیں اور کیا بعض نے ان ارہٹوں کو فروخت کر دیا ہے؟

وزیر زراعت:- یہ تو تحصیل کمیٹی نے تقسیم کئے ہیں، اور یہ ان لوگوں کو دیئے گئے ہیں جن کے لئے ڈپٹی کمشنروں کی سفارش ہوئی تھی اور یقیناً یہ لگانے کے لئے دیئے گئے تھے۔ بیچنے کے لئے نہیں۔ اگر ممبر صاحب کو ایسی کسی بات کا علم ہے کہ کسی نے فروخت کیا ہے۔ تو وہ ہمیں بتائیں ہم اس کے خلاف کارروائی کریں گے۔

نوابزادہ تیمور شاہ جوگیزئی:- آپ پی۔اے کو لکھیں اور

دریافت کریں کہ جو ارہٹ تقسیم کئے گئے تھے وہ کام کر رہے ہیں یا بیچ دیئے گئے ہیں ؟

مسٹر اسپیکر:- اگلا سوال

۸۵۶ میر نصرت اللہ سنجرانی :- کیا وزیر زراعت یہ فرمائیں گے کہ

(الف) ضلع چاغی میں زراعت کے فروغ کے لئے اس سال میں کتنی اسکیموں پر کام شروع کیا گیا ؟ اور کتنی اسکیمیں مکمل ہوئیں ؟

(ب) زراعت کی ترقی کے لئے ضلع میں اور کیا اقدامات کئے گئے ہیں ؟

(د) ٹریکٹر، بلڈوزر یا پمپنگ انجن زمینداروں کو الاٹ کرنے کا کیا طریق کار ہے ؟

وزیر زراعت :-

(الف) ضلع چاغی میں سال رواں میں محکمہ زراعت کی کوئی علیحدہ اسکیم نہیں تھی۔ تاہم ضلع کی زرعی ترقی کے لئے اس کو مناسب حصہ دیا گیا ہے۔ جس کی تفصیل درج ذیل ہے۔

(۱) نوشکی میں دو اور دالبندین میں ایک گندم کے نمائشی پلاٹ بنائے گئے۔

(۲) ایک اعشاریہ چھ (۱٫۶) ٹن جراثیم کش ادویات درختوں کو بیماریوں

اور کیڑوں مکوڑوں سے محفوظ کرنے کے لئے تقسیم کی گئیں۔

(۳) چھ ہزار پانچ سو چار من (۶۵۰۴) عمدہ قسم کا گندم کا تخم زمینداروں میں فروخت کیا گیا۔

(۴) چھ سو پانچ بوری کھاد تقسیم کی گئی۔

(۵) تیرہ عدد بلڈوزر فراہم کئے گئے تاکہ ضرورتمند زمیندار انکو رعایتی کرایہ پر لیکر اپنی زمینوں کو قابل کاشت بنا سکیں

(ب) اس کا جواب جزو (الف) میں دیا گیا ہے۔

(د) ہر ضلع میں اسسٹنٹ انجینئر اور یونٹ سپروائزر کا دفتر موجود ہے۔ زمیندار اسسٹنٹ انجینئر کو درخواست دے کر کرایہ پیشگی جمع کرواتے ہیں اور ورک آرڈر حاصل کر لیتے ہیں۔ باری آنے پر زمیندار کو بلڈوزر فراہم کیا جاتا ہے۔

گذشتہ سال پمپنگ انجن وزیر زراعت کی ہدایات کے مطابق رعایتی قیمتوں پر مستحق زمینداروں میں تقسیم کئے گئے۔ جب کہ اس سال ضلع وار کمیٹیاں بنائی گئی ہیں۔ کمیٹی کا سربراہ ضلع کا ڈپٹی کمشنر ہو گا۔ اور اس کام میں محکمہ کے آفیسر اور پانچ مقامی زمیندار ڈپٹی کمشنر کی اعانت کریں گے۔

میر نصرت اللہ خان سنجرانی:۔ ضمنی سوال، جناب! میرے سوال کے جواب میں کہا گیا ہے کہ ضلع چاغی میں سال رواں میں محکمہ زراعت کی کوئی علیحدہ اسکیم نہیں تھی۔ تو جناب! ضلع چاغی کے لئے کوئی علیحدہ اسکیم کیوں نہیں تھی۔

وزیر زراعت:۔ منصوبہ میں نہیں رکھی گئی تھی۔

میر نصرت اللہ خان سنجرانی:۔ جناب: میرے سوال کے حصے الف کے جزو ۲ میں کہا گیا ہے کہ "ایک اعشاریہ چھ ٹن جراثیم کش ادویات درختوں کو بیماری اور کیڑوں مکوڑوں سے محفوظ کرنے کے لئے تقسیم کی گئیں" کیا آپ وضاحت کریں گے کہ ضلع چاغی میں درخت ہیں؟

وزیر زراعت:۔ اگر آپ کہیں تو میں چل کر آپ کو دکھا دوں۔

میر نصرت اللہ خان سنجرانی:۔ آپ ان کا نام بتائیں جن علاقوں میں درخت ہیں۔

وزیر زراعت:۔ نوشکی سے اوپر جاتے ہوئے آپ کو کافی تعداد میں درخت دکھائی دیں گے۔

میر نصرت اللہ خان سنجرانی:۔ میرے خیال میں وہاں پر کوئی درخت نہیں ہے۔

وزیر زراعت:۔ آپ نے کاٹ دیئے ہوں گے۔

میر نصرت اللہ خان سنجرانی :- جناب میں نے کاٹے نہیں ہیں۔ بلکہ شروع ہی سے نہیں ہیں۔ اور اسی جواب کے حصے الف کے جزو ۳ میں کہا گیا ہے ۴۔ ۶۵ (چھ ہزار پانچ سو چار من) عمدہ قسم کی گندم کا تخم زمینداروں میں فروخت کیا گیا۔ لیکن میں سمجھتا ہوں کہ زمینداروں میں تو نہیں بلکہ بازار میں فروخت کیا گیا ہے۔ کیا آپ کو یہ پتہ ہے ؟

وزیر زراعت :- آپ نے مجھے بتایا اس لئے میں عرض کروں گا کہ اگر ایسا ہوا ہے۔ تو آپ مجھے اس کی تفصیل بتائیں۔ ہم اور آپ مل کر ایسی چیزوں کو روکیں گے۔

میر قادر بخش بلوچ :- جناب ! نوابزادہ شیر علی خان نہیں۔ اُن کی طرف سے میں یہ سوال دریافت کر سکتا ہوں۔

مسٹر اسپیکر :- اجازت ہے۔

***۱۰۸۷۔ نوابزادہ میر شیر علی خان کی طرف سے میر قادر بخش بلوچ**

کیا وزیر زراعت از راہ کرم بتائیں گے کہ :-

(الف) سال ۷۴-۱۹۷۳ء میں ضلع خاران میں کتنے ڈیزل انجن تقسیم کئے گئے؟

(ب) یہ ڈیزل انجن کس کس مقام پر اور کن کون سے زمینداروں کو دیئے گئے؟

(ج) ان ڈیزل انجنوں سے کتنے اشخاص مستفیض ہوئے ہیں۔ اور حکومت کو ان سے کیا آمدنی ہورہی ہے۔؟

(د) اگر ان میں سے کچھ ڈیزل انجن غلط اشخاص کو دیئے گئے ہیں۔ یا بعض ڈیزل انجن ناکامیاب اور غیر مفید ثابت ہوگئے ہیں۔ تو اس ضمن میں حکومت نے کیا اقدامات کئے ہیں؟

وزیر زراعت:۔

(الف) سال ۷۴-۱۹۷۳ء میں اس ضلع خاران میں دو عدد ڈیزل انجن زمینداروں میں رعایتی قیمت پر تقسیم کئے گئے۔

(ب) یہ انجن ضلع خاران کے مندرجہ ذیل زمینداروں کو دیئے گئے ہیں۔

نمبر ۱:۔ میر محمد اعظم ولد غلام قادر، خاران بسیمہ۔

نمبر ۲:۔ میر غلام حسین ولد میر رسول بخش خاران۔

اور یہ ضلع خاران بسیمہ مقام پر نصب کئے گئے۔

(ج) ان ڈیزل انجنوں سے دو زمیندار مستفیض ہوئے ہیں۔ ان انجنوں کا فاضل سامان زمینداروں نے مورخہ (۷۵/۲/۲۶) و (۷۵/۳/۱) کو محکمہ ہذا سے حاصل کیا ہے۔ چونکہ یہ انجن بمشکل تمام ابھی نصب کئے گئے ہیں۔ ان سے پیداوار شروع نہیں ہوئی ہوگی۔ آمدنی کا تخمینہ پیداوار کے شروع ہونے کے بعد ہی لگایا جاسکتا ہے۔ کہ اس زمین سے جو ان مشینوں کے ذریعے آباد ہوگی ہے۔ کتنا مالیہ وصول ہوسکے گا۔

(د) یہ انجن مستحق زمینداروں کو دیئے گئے ہیں۔ اور کسی غلط آدمی کو نہیں دیئے

گئے ہیں ۔ ڈیزل انجن کی ناکامیابی یا غیر مفید ثابت ہونے کی اطلاع کسی بھی ذریعہ سے محکمہ کو نہیں ملی ہے ۔

مسٹر اسپیکر:۔ اگلا سوال ۔

نمبر ۸۸۹ میر قادر بخش بلوچ :۔ کیا وزیر زراعت ازراہ کرم بتائیں گے کہ

گوادر ہاربر پراجیکٹ میں کس کس چیز کے ٹھیکے دیئے گئے ہیں ، نام ٹھیکہ ، مالیت اور اس کے ٹھیکیدار کا نام مکمل تفصیل بتائیں

وزیر زراعت :۔ گوادر فش ہاربر میں جن کاموں کے ٹھیکے دیئے گئے ہیں ان کی تفصیل حسب ذیل ہے ۔

نمبر شمار	نام ٹھیکیدار	رقم ٹھیکہ	تفصیل کام
(۱)	مسٹر غلام حسین	۱۱,۶۳۲/- روپے	تعمیر عمارت عارضی دفتر
(۲)	مسٹر محمد ایوب	۱,۰۵,۷۸۸/- "	تعمیر عمارت دفتر
(۳)	محمد یوسف مجاہد	۹۸,۹۳۹/- "	تعمیر عمارت دفتر کالونی ایریا
(۴)	میسرز بابر اینڈ کمپنی	۱,۲۶,۷۹۸/- "	تعمیر تشنگل روڈ کالونی ۔

(۵)	شیخ علی محمد	۲,۸۴,۶۱۷/- روپے	تعمیر سڑک Approach Road از ہوائی اڈہ تا مچھلی بندر
(۶)	مسٹر نبی بخش	۷,۶۱,۶۸۴/- "	ڈھلائی عمارتی سامان کراچی تا گوادر
(۷)	نیشنل سیمنٹ انڈسٹریز کراچی ،	۲,۶۴,۰۰۰/- "	برائے خرید سیمنٹ
(۸)	نیشنل ریفائنری لمیٹڈ کراچی ،	۱,۸۲,۴۵۵/- "	برائے خرید تارکول
(۹)	میسرز بورماسٹر لاہور	۴,۳۹,۶۷۸/- "	لیڈنگ جٹی کے ڈیزائن اور بنیادیں اٹھانے کے لئے سمندر میں زیر زمین جٹی کا تجزیہ کرانے کے اخراجات کی ادائیگی ۔
(۱۰)	میسرز نیشنل انجینئرنگ سروسز (پاکستان) لمیٹڈ لاہور	گوادر فش ہاربر کے جملہ کاموں کے لئے موصولہ ٹنڈر کی رقوم کا ساڑھے چار فی صد (۴½٪) بطور فیس ادا کیا جائے گا ۔	میسرز نیشنل انجینئرنگ سروسز (پاکستان) لمیٹڈ لاہور کو بطور کنسلٹنٹس (consultants) گوادر فش ہاربر کے منصوبہ پر عملدرآمد کے برائے تحقیقات اور فش ہاربر کے ڈیزائن کا تیاری کا کام سونپا گیا ہے ۔

میر قادر بخش بلوچ :- ضمنی سوال :- کیا وزیر صاحب کبھی گوادر ائیرپورٹ سے گوادر شہر تک گئے ہیں ؟

وزیر زراعت :- جی ہاں ۔

میر قادر بخش بلوچ :- میرے سوال کے جواب میں آپ فرماتے ہیں کہ تعمیر سڑک از ہوائی اڈہ تا مچلی بندر مبلغ ۶/۷/- ۸۴، ۲، روپے کا ٹھیکہ دیا گیا۔ تو کیا میں پوچھ سکتا ہوں کہ کبھی آپ ہوائی اڈے سے گوادر تک گئے ہیں ۔ اگر آپ گئے ہیں تو آپ نے کس روڈ پر سفر کیا تھا۔

وزیر زراعت :- کچے روڈ پر ۔

میر قادر بخش بلوچ :- تو پھر آپ نے سفر کیا ہی نہیں ہے

وزیر زراعت :- میں گیا ہوں ۔

میر قادر بخش بلوچ :۔ جناب ! گوادر ائرپورٹ سے شہر تک تمام سڑک پکی ہے اور کوئی پکی سڑک نہیں ہے۔ میرے خیال میں وزیر صاحب پراچہ صاحب کے محکمے کو بھی سنبھالنا چاہتے ہیں، تو جناب یہ بالکل پکی سڑک ہے۔

وزیر زراعت :۔ میں آپ کو یقین دلاتا ہوں کہ جہاں تک سڑک پکی ہے۔ وہ تو ٹھیک ہے۔ مگر جہاں سے پکی ہوگی وہاں سے آگے اس کو پکا کیا جائے گا

میر قادر بخش بلوچ :۔ آپ تو یہ کہہ رہے ہیں، جناب ائرپورٹ سے پہلی بندر تک تمام روڈ پہلے ہی پکا ہے۔ تو کیا آپ پکی سڑک کو دوبارہ ٹننگل روڈ بنانا چاہتے ہیں؟ اگر آپ وہاں گئے ہوں تو آپ نے ضرور دیکھا ہوگا۔

وزیر زراعت :۔ لیکن اتنی اچھی نہیں ہے جتنی اسے ہونا چاہیئے۔

میر قادر بخش بلوچ :۔ یہ تو ٹھیک ہے لیکن بات اپنی

جگہ پر ہے، کیا آپ پکی سڑک کو دوبارہ شنگل روڈ میں تبدیل کریں گے؟ کیا آپ اسے دوبارہ کاٹیں گے؟

وزیر زراعت :- کیوں کاٹیں گے؟

میر قادر بخش بلوچ :- رئیسانی صاحب! آپ کو تمام تر اطلاعات غلط فراہم کی جاتی ہیں، اس لئے معزز ممبران کو بھی تسلی نہیں ہوتی

میر صابر علی بلوچ :- (ضمنی سوال) جناب۔ یہاں پر جواب کے سیریل نمبر ۶ پر بتایا گیا ہے، کہ مسٹر نبی بخش ٹھیکیدار کو مبلغ ۶۸۴/- ۶۱، ۷ روپے کی ادائیگی برائے ڈھلائی عمارتی سامان از کراچی تا گوادر ہو چکی ہے، اور دوسری جگہ آپ فرماتے ہیں کہ نیشنل سیمنٹ فیکٹری کو برائے خرید سیمنٹ مبلغ -/۲،۶۲،۰۰۰ روپے ادا کئے جا چکے ہیں، اور پھر نیشنل ریفائنری لمیٹڈ کراچی کو بھی مبلغ -/۱،۸۲،۴۵۵ روپے برائے خرید تارکول ادا کئے جا چکے ہیں تو یہ سارا ٹوٹل مبلغ ۴،۷۵،۰۰۰ روپے بنتا ہے، جبکہ مسٹر نبی بخش کو مبلغ -/۷،۶۱،۶۸۴ روپے صرف ڈھلائی کے لئے ادا کئے گئے ہیں۔ یعنی آپ نے صرف ڈھلائی کے لئے اتنی زیادہ ادائیگی کی ہے؟

میر قادر بخش بلوچ :- واقعی رئیسانی صاحب! آپ

ذرا اس کو جمع تو کیجئے۔ میرا مطلب ہے سیریل نمبر ۶ تا سیریل نمبر ۸ تک کی رقم کو جمع کر کے دیکھئے۔ کافی فرق ہے۔

وزیر زراعت:۔ یہ ڈھلائی عمارتی سامان کی ہے اور عمارتی سامان میں صرف سیمنٹ اور تارکول نہیں ہوا کرتا ....

میر صابر علی بلوچ:۔ ٹھیک ہے جناب! آپ نے اس سامان کی تفصیل کیوں نہیں دی؟ ہمیں پتہ تو چلے کہ وہ کون سا اور سامان ہے؟

وزیر زراعت:۔ یقیناً اس کے لئے ٹینڈر طلب کیا ہوگا۔ اور اس میں دوسرا عمارتی سامان بھی شامل ہوگا۔

میر صابر علی بلوچ:۔ جناب! میں سمجھ نہیں سکا۔

وزیر زراعت:۔ میں پھر آپ کو سمجھاتا ہوں۔ جب کسی کام کے لئے ٹینڈر طلب کئے جاتے ہیں تو ایک جگہ سے دوسری جگہ کے لئے سامان ڈھلائی کرنا ہوتا ہے۔ اور ایک ہی شخص ٹھیکہ لیتا ہے اور کام مکمل کرتا ہے ....

میر صابر علی بلوچ :۔ آپ بہت کچھ کہہ سکتے ہیں۔ سوائے اس کے کہ آپ اس کو تسلیم کر لیں ؟

وزیر زراعت :۔ کیا آپ مجھ سے زبردستی تسلیم کروانا چاہتے ہیں۔

میر صابر علی بلوچ :۔ زبردستی کی بات نہیں جناب والا ! یہ تو رب کے سامنے ہے۔ ۔۔۔۔۔۔

وزیر زراعت :۔ آپ یہ فرمانا چاہتے ہیں کہ نبی بخش کو جو ادائیگی ہوئی ہے وہ غلط ہوئی ہے ؟

میر صابر علی بلوچ :۔ میں یہ کہنا چاہتا ہوں کہ آپ نے چار لاکھ ۷۵ ہزار روپے کا سامان خریدا اور کراچی سے گوادر تک لانے کے لئے سات لاکھ ۱۶ ہزار روپے اس کی ڈھلائی پر خرچ کئے تو پھر سامان کی قیمت سے زیادہ تو اس کی ڈھلائی ہوگئی۔

وزیر زراعت :۔ اس میں ٹریکٹر کوئی اور چیز بھی شامل ہوگی۔ جس کی تفصیل ہیں

آپ کو بتا دوں گا۔

میر صابر علی بلوچ:۔ اس میں اور کچھ بھی نہیں ہے۔

وزیر زراعت:۔ اگر ایسا ہے تو میں اس کی تحقیقات کروں گا۔

میر صابر علی بلوچ:۔ جناب والا! میں ہمیشہ عرض کرتا رہا ہوں۔ کہ گوادر فش ہاربر کے اتنے بڑے پروجیکٹ کہ جس پر ۴۰ کروڑ روپیہ خرچ آرہا ہے۔ کا ڈائریکٹر ایک ایگزیکٹو انجینئر کو بنایا ہوا ہے۔ جو اس قابل نہیں ہے۔ اگر اس قسم کے شخص کو پروجیکٹ ڈائریکٹر بنایا جائے گا تو اس کا حال ایسا ہی ہوگا۔

وزیر زراعت:۔ اگر آپ مجھے موقع دیں تو میں آپ کی خواہشات کے مطابق تحقیقات کر کے آپ کو جواب دے دوں گا۔

میر صابر علی بلوچ:۔ میں نے پہلے بھی کئی بار بتایا ہے۔ وزیر اعلیٰ صاحب کو بھی بتایا ہے۔

وزیر زراعت :۔ نہیں مجھے نہیں بتایا۔ اگر آپ بتاتے تو میں پہلے تحقیقات کرکے آپ کو بتا دیتا۔ اگر آپ کہیں تو اس سوال کا جواب بھی آئندہ دے دوں گا۔

میر صابر علی بلوچ :۔ ٹھیک ہے میرے اس سوال کا جواب آپ آئندہ دے دیں۔

میر قادر بخش بلوچ :۔ ضمنی سوال :۔ رئیسانی صاحب! آپ گوشوارے کو دیکھیں تو نمبر ایک سے آخر تک جو سامان خریدا گیا ہے۔ ان کی مجموعی رقم ۱۹ لاکھ ۲۵ ہزار نو سو تین روپے (۱۹,۲۵,۹۰۳) بنتی ہے۔ اور آپ نے کنسلٹنس کو جو پیسہ دیا ہے۔ ڈیڑھ ۱۸ لاکھ ۴ ہزار ۴ سو چالیس (۱۸,۰۴,۴۴۰) روپے بنتے ہیں۔ تو آپ کی ٹوٹل خریداری سے آپ کے کنسلٹنس کی فیس زیادہ ہے اور آپ کہتے ہیں۔ کہ صرف ساڑھے چار فیصدی بطور فیس ادا کیا جائے گا۔

وزیر زراعت :۔ آپ معلوم کیا کرنا چاہتے ہیں؟ یہ تو آپ نے میری راہنمائی کر دی۔ آپ سوال کریں پھر میں اس کا جواب دوں گا۔

میر قادر بخش بلوچ:۔ میں یہ پوچھنا چاہتا ہوں کہ آپ تو کہتے ہیں کہ ساڑھے چار فیصد فیس ادا کی جائے گی۔ جب کہ اس وقت آپ کی مجموعی خریداری ۱۹ لاکھ روپے ہے۔ اور فیس کے چالیس لاکھ روپے ہیں۔ تو یہ فیس مجموعی خریداری سے کیسے زیادہ ہو گئی؟

وزیر زراعت:۔ ساڑھے چار فیصد سارے پروجیکٹ کی فیس ہے۔

میر قادر بخش بلوچ:۔ تو کیا آپ نے وہ تمام کنسلٹینس کو ادا کر دیئے ہیں۔؟

وزیر زراعت:۔ شاید ابھی باقی بھی ہوں۔ لیکن میں آپ کے توسط سے معزز ممبران کو بتانا چاہتا ہوں۔ کہ جب تک ہم کنسلٹینس کو پہلے پیسے نہیں دیں گے۔ تو وہ سامان کہاں سے لائیں گے؟ اور کام کیسے شروع کریں گے۔ اور پھر آپ کا پروجیکٹ کیسے مکمل ہو سکے گا؟

میر قادر بخش بلوچ:۔ جب کنسلٹینس کو آپ نے پہلے پیسہ دے دیا ہے۔ اب اگر وہ لندن چلا جائے۔ تو آپ کیا کریں گے؟

وزیر زراعت :۔ یہ نیم سرکاری ادارہ ہے۔ لندن کیسے جاسکتا ہے ؟

میر قادر بخش بلوچ :۔ آپ فہرست میں دیکھیں۔ یہ سب نیم سرکاری ادارے نہیں ہیں ؟

(قطع کلامیاں)

مسٹر اسپیکر اور کوئی ضمنی سوال ہے ؟

میر صابر علی بلوچ :۔ ضمنی سوال :۔ عرض یہ ہے کہ متعلقہ وزیر صاحب فرما رہے ہیں کہ ہم کنسلٹینس کی فیس کی پہلے ادائیگی کرتے ہیں۔ تو عرض یہ ہے کہ ہمیں تو پتہ نہیں ....

مسٹر اسپیکر :۔ کنسلٹینس کے متعلق آپ نے تو اپنا سوال واپس لے لیا تھا۔ اب کیوں پوچھ رہے ہیں ؟

میر صابر علی بلوچ :- وہ تو ابھی فرما رہے ہیں کہ ......

مسٹر اسپیکر :- وہ ابھی فرما رہے ہیں ٹھیک ہے۔ لیکن جب آپ نے اپنا سوال واپس لے لیا تھا۔ تو اب ان کو موقع دیں تاکہ وہ تیار ہو کر آئیں۔

میر قادر بخش بلوچ :- ریئسانی صاحب! آپ تیار نہیں ہیں اس لئے تیار ہو کر آئیں۔

وزیر زراعت :- جو سوال بھی آپ نے کیا ہے اس کا جواب میں نے دیا ہے۔ اگر اب بھی آپ کو تسلی نہیں ہے تو مجھے موقع دیں میں دوبارہ آپ کی تسلی کر دوں گا۔

میر قادر بخش بلوچ :- وہ تو ٹھیک ہے۔ لیکن آپ اپنے جواب کی فہرست میں دیکھیں اس میں نویں نمبر پر میسرز پور ماسٹر لاہور کا نام ہے اور پھر دسویں نمبر پر میسرز نیشنل انجینئرز اور میسرز پاکستان ہیڈ لاہور کا نام ہے۔ یہ دونوں پرچہ کے بڑے ڈیزائن تیار کرنے کا کام کرتے ہیں۔ آپ ایک ہی کام کے لئے دو ٹھیکیدار کیوں رکھے گئے ہیں۔

وزیر زراعت:۔ جناب! یہ بہت بڑا پروجیکٹ ہے، اس میں چھوٹے اور بہت سے کام ہوتے ہیں، اس لئے مختلف کاموں کے لئے مختلف ٹھیکیدار رکھے جاتے ہیں۔ کچھ سمندر وغیرہ میں تحقیقات کرتے ہیں، کچھ زمین اور مٹی وغیرہ کی تحقیق کرتے ہیں، اسی طرح پتھروں کی تحقیقات کی جاتی ہے، لہروں کی تحقیقات کی جاتی ہے ہواؤں کی تحقیقات کی جاتی ہے اور زلزلے وغیرہ کی تحقیق کی جاتی ہے۔ تو ان سب چیزوں کی تحقیقات مکمل ہونے کے بعد پروجیکٹ مکمل کیا جاتا ہے۔ اس لئے علیحدہ علیحدہ ٹھیکیدار رکھے جاتے ہیں۔

میر صابر علی بلوچ:۔ یہ اتنا بڑا پروجیکٹ ہے، اور اسے آپ نے ایک ایگزیکٹو انجینئر کے ہاتھ میں دے دیا ہے، آخر کیوں؟

وزیر زراعت:۔ یہ ایگزیکٹو انجینئر آگے چل کر چیف انجینئر بھی ہوسکتا ہے۔

میر قادر بخش بلوچ:۔ رئیسانی صاحب! آپ نے لہروں کا ذکر کیا ہے، تو میں تو یہ کہتا ہوں کہ ابھی تک آپ لہریں ہی گن رہے ہیں۔ اور آپ کے زیادہ تر پروجیکٹ لہروں پر ہی ہیں۔

وزیر زراعت:۔ آپ جیسے کہیں ہیں اسے بٹھا کر لہریں گنواؤں۔

میر قادر بخش بلوچ:۔ بٹھانے کی بات نہیں ہے۔ ویسے ہم بھی جانتے ہیں کہ آپ نے کس کو بٹھایا ہوا ہے۔
(قطع کلامیاں)

میر صابر علی بلوچ:۔ ضمنی سوال:۔ بابر اینڈ کمپنی، شیخ علی محمد، مسٹر نبی بخش، میسرز پور ماسٹر یہ جو ٹھیکیداروں کے نام دیئے گئے ہیں تو میں کہتا ہوں کہ ان ناموں کے وہاں کوئی ٹھیکیدار نہیں ہیں۔ یہ سب فراڈ ہے اور صرف اور صرف پیسے کھانے کی بات ہے۔

وزیر زراعت:۔ کون سے ٹھیکیدار؟

میر صابر علی بلوچ:۔ یہ شیخ علی احمد اور بابر اینڈ کمپنی۔

وزیر زراعت:۔ میں راہنمائی کرنے پر معزز ممبر کا شکریہ ادا کرتا ہوں۔

مسٹر اسپیکر:- وقفہ سوالات ختم ہوا۔
اب سال ۷۶-۱۹۷۵ء کے بجٹ پر بحث ہوگی۔

سالانہ بجٹ برائے سال ۷۶-۱۹۷۵ء پر عام بحث

میر نصرت اللہ خان سنجرانی:- جناب اسپیکر! مجھے خوشی ہے کہ آج اس معزز ایوان میں بجٹ پر مجھے بھی بولنے کا موقع مل رہا ہے۔ اس سے پہلے کہ میں بجٹ پر کچھ بولوں، میں اپنے حلقہ انتخاب جسے چاغی کہا جاتا ہے کی پسماندگی اور بدحالی کا تذکرہ کرنا اپنا فرض سمجھتا ہوں۔ جناب والا! یہ ضلع جو ایران اور افغانستان کی سرحد پر واقع ہے پینسٹھ (۶۵) ہزار کی آبادی پر مشتمل ہے۔ اس ضلع کو شروع ہی سے نظر انداز کیا گیا ہے۔ اور اب بھی کچھ ایسا پتہ چلتا ہے کہ آئیندہ سال کے لئے بھی اسے مکمل طور پر نظر انداز کر دیا گیا ہے۔ جناب والا! اس ضلع میں ویسے بھی نہ کوئی خاص زمینداری ہے، نہ تجارت کے ذرائع ہیں اور نہ ہی دوسرے ذرائع روزگار ہیں۔ تو پھر اس ضلع کو نظر انداز کرنے کا کیا جواز ہے؟ یہ کہا جاتا ہے کہ یہ ضلع معدنی دولت سے مالا مال ہے۔ اور اس ضلع میں بڑی دولت ہے اور یہاں کے مزدور مزدوری کر کے گزر اوقات کر رہے ہیں۔

لیکن جناب والا! میں عرض کردوں کہ اس معدنی دولت پر چند افراد کا قبضہ ہے اور وہ بھی ضلع سے باہر کے ہیں۔ دولت چاغی کی ہے۔ مال چاغی

کا ہے۔ لیکن کراچی اور اٹلی کی مارکیٹوں میں نہایت مہنگے داموں بک جاتا ہے۔ اور اس کا منافع ضلع چاغی سے باہر ان افراد کو ملتا ہے۔ جن کا اس دولت پر قبضہ ہے۔

عالیجاہ! ظلم یہ ہے کہ یہ سرمایہ دار نہ صرف یہ کہ یہاں کی دولت لوٹ رہے ہیں۔ بلکہ یہاں کے مزدوروں کو بھی مزدوری نہیں دیتے۔ کراچی۔ کوئٹہ پشاور اور دوسرے مقامات سے مزدور آ کر یہاں کانوں پر کام کرتے ہیں۔ تو میں عرض کر رہا تھا کہ یہ اس ضلع پر سراسر ظلم ہے۔ یہ حقیقت ہے۔ کہ یہ ضلع معدنی دولت سے مالا مال ہے۔ لیکن اس معدنی دولت سے ایک پیسہ بھی وہاں کے عوام کو نہیں مل رہا ہے۔

جناب والا! اب میں تعلیم کے موضوع کی طرف آتا ہوں۔ تعلیم کے لحاظ سے بھی اس ضلع کو پسماندہ رکھا گیا ہے۔ اس ضلع میں رواں مالی سال میں صرف تین پرائمری اسکول کھولے گئے ہیں۔ جب کہ یہاں بیس پرائمری اسکول کھولنے کی گنجائش ہے جناب والا! اسی طرح کسی پرائمری اسکول کو مڈل کا درجہ نہیں دیا گیا جبکہ پانچ پرائمری اسکول ایسے ہیں جنکو مڈل کا درجہ دینا ضروری ہے۔ اسی طرح کسی مڈل اسکول کو ہائی اسکول کا درجہ نہیں دیا گیا۔ جب کہ تین مڈل اسکول ایسے ہیں۔ جن کو ہائی اسکول کا درجہ دینا ضروری ہے میڈیکل کی سیٹوں کا بھی سوال ہے۔ اس ضلع کو صرف تین نشستیں دی گئی ہیں۔ جو اس ضلع کے لئے بالکل ناکافی ہیں۔ صوبہ سے باہر بھی ضلع چاغی کے لئے انجینئرنگ یا میڈیکل میں کوئی نشست نہیں ہے۔

اس کے بعد میں زراعت کا تذکرہ کروں گا۔ میرے ایک سوال کے جواب میں وزیر زراعت نے فرمایا ہے۔ کہ رواں مالی سال میں اس ضلع کے لئے زراعت کے لئے کوئی علیحدہ اسکیم نہیں تھی۔ نہ صرف اس سال بلکہ گذشتہ دو تین سالوں میں کوئی بھی اسکیم یا منصوبہ نہیں بنایا گیا۔ اراضیات غیر آباد ہیں۔ لوگوں میں اتنی طاقت نہیں ہے۔ کہ وہ خود آباد کر سکیں۔ لیکن صوبائی حکومت بھی

ان اراضیات کی آبادکاری کے لئے مکمل طور پر خاموش ہے۔ تیس تا سے ستر فٹ کی گہرائی میں زیرِ زمین پانی موجود ہے۔ کچھ ٹیوب ویل دیئے گئے ہیں۔ لیکن زمیندار اس قابل نہیں ہیں۔ کہ وہ خود چلا سکیں۔ اور ضلع میں زراعت کی فروغ کے لئے کہیں بھی بجلی کا وجود نہیں ہے۔ اس لئے یہ ضلع زرعی طور پر بھی بہت پس ماندہ ہے۔ اور اس مالی سال میں نو بلڈوزر دیئے گئے ہیں لیکن ان میں اکثر بلڈوزر اُن ٹھیکیداروں کے پاس ہیں۔ جو سڑکوں پر کام کرتے ہیں یا مائینز مالکان کے پاس ہیں جو کانوں میں کام کرتے ہیں۔ اس سے زمینداروں کو خاطر خواہ فائدہ حاصل نہیں ہوا۔ زراعت کے انسپکٹر اور فیلڈ اسسٹنٹ تعینات ہیں۔ لیکن میں عرض کر دوں کہ زراعت کا انسپکٹر سالہا سال سے دفتر میں بیٹھا ہوا ہے اور آرام کر رہا ہے۔ فیلڈ اسسٹنٹ اپنے دوسرے کاموں میں مصروف ہیں۔ کوئی دکانداری کرتا ہے۔ اور کوئی اسمگلنگ کرتا ہے۔ زمینداری کے لئے کوئی کام نہیں کیا جاتا۔ عالی جاہ! صوبائی وزراء کی عدم دلچسپی اس سے زیادہ اور کیا ہو سکتی ہے کہ اس سال اپریل میں ژالہ باری ہوئی ہے۔ جس سے زمینداروں کو تیس لاکھ روپے کا نقصان ہوا گندم اور زیرہ کی فصلیں مکمل طور پر تباہ ہو گئیں۔ لیکن یہ خبر نہ تو پریس میں آئی اور نہ سرکاری اداروں نے دی۔ یہاں تک کہ میں نے پچھلے دنوں سوال بھی کیا تھا۔ تو جام صاحب نے فرمایا کہ مجھے ضلع کے ڈپٹی کمشنر نے رپورٹ نہیں بھیجی تو اس کے ذمہ دار ہم تو نہیں ہیں کہ ڈپٹی کمشنر رپورٹ نہ بھیجے لیکن اس ضلع کے غریب زمینداروں کے لئے اس سلسلے میں کوئی کارروائی عمل میں نہیں لائی گئی۔ اور ان کے نقصان کا ازالہ نہیں کیا گیا۔ اسی طرح پانی کا مسئلہ ہے میں عرض کر دوں کہ گذشتہ تین سالوں میں کسی جگہ بھی واٹر سپلائی کے لئے کام نہیں کیا گیا۔ رواں مالی سال میں والبندین میں واٹر سپلائی اسکیم کا کام شروع کیا گیا۔ حالانکہ تین واٹر سپلائی اسکیمیں ہیں۔ نوکنڈی

دالبندین اور تفتان ۔ نہ جانے نوشکی اور تفتان کی اسکیموں کا پیسہ کس مد میں ڈال دیا گیا ہے اور کس ضلع کو دے دیا گیا ہے۔ یہاں صرف دالبندین واٹر سپلائی اسکیم کا کام شروع ہوا ہے۔ اور کاریزات پر کوئی کام نہیں ہوا۔ آب پاشی کے وزیر فرماتے ہیں کہ اس مد میں سات لاکھ روپے خرچ کئے گئے ہیں۔ لیکن میں نہیں سمجھتا کہ کہاں خرچ کئے گئے ہیں۔

اس کے بعد شاہرات اور تعمیرات کا ذکر کروں گا۔ تو کچھ کچی عمارتیں کھڑی کی گئی ہیں۔ جہاں تک سڑکوں کا تعلق ہے۔ تو سوائے آر۔سی۔ڈی روڈ کے اور کسی سڑک پر کام نہیں ہوا اور جناب والا! آر۔سی۔ ڈی روڈ بھی نامکمل ہے۔ جو حصہ مکمل کیا گیا ہے وہ دیکھنے کے قابل ہے۔ ایک فرلانگ میں آٹھ کھڈے نظر آئیں گے۔ جن سے موٹر کا گزرنا مشکل ہو جائے گا۔ یہ ذکر کرنا بے جا نہ ہو گا کہ انجینئروں نے بہت اچھا کام کیا ہے۔ جس کے لئے میں ان کو داد دیتا ہوں۔ اس کے علاوہ کوئی سڑک نہیں ہے۔ اور نہ کسی سڑک پر کام شروع کیا گیا ہے۔ اس کے بعد میں صحت کے متعلق عرض کروں گا۔ صحت کے لئے ہر جگہ بڑی بڑی ڈسپنسریاں کھڑی کی گئی ہیں میں یہ اعتراف کرتا ہوں۔ لیکن وہاں پر کسی عمارت میں ڈاکٹر نہیں ہے نہ کمپاؤنڈر ہے اور نہ وہاں پر ادویات موجود ہیں جس سے کسی مریض کا علاج ہو سکے۔ جب بیماروں کا علاج نہیں ہوتا ہے تو ان بڑی عمارتوں کا کیا فائدہ۔ جب وہاں کے لوگوں کو فائدہ نہیں پہنچتا ہے تو بڑی بڑی عمارتیں کھڑی کر کے اس طرح قوم کے پیسے ضائع کیوں کئے جاتے ہیں۔ جناب والا! جہاں تک کرپشن کا سوال ہے تو ہمارے ضلع میں چند ایک محکموں کے سوا باقی سب محکموں میں کرپشن موجود ہے۔ جناب پراچہ صاحب نے فرمایا تھا کہ ان کے محکمہ میں چند ایک شکایات ہیں کرپشن ہے۔ میں ان کی اس جرأت پر داد دیتا ہوں کیونکہ ہمارے دوسرے وزراء صاحبان اس بات سے اتفاق نہیں کرتے کہ اُن کے

محکموں میں کرپشن ہے۔ میں کہتا ہوں کہ کرپشن اس طریقہ سے رواج بن چکی ہے۔ کہ ہر کام میں ۱/۲ حصہ واپس محکمہ کو حصہ دیا جاتا ہے۔ بطور مٹھائی کہو یا بطور رشوت اس طرح سے ٹھیکیدار کو ۱/۲ حصہ اپنے اکاؤنٹ میں جمع کرنے کی اجازت دی جاتی ہے۔ اس کے بعد ۱/۲ حصہ سے کام کیا جاتا ہے۔ اس سے مزدور کو بھی حصہ دیا جاتا اور کام کو پائیہ تکمیل تک پہنچایا جاتا ہے۔ عالیجاہ! یہ کوئی ترقی نہیں ہے۔

جناب والا! اسی ضلع میں دفعہ ۱۴۴ نافذ ہے۔ کئی سالوں سے نافذ ہے۔ بلکہ متواتر نافذ ہے۔ یہ وہ دفعہ نہیں ہے۔ جس پر اسلحہ لے کر چلنے یا جلسے جلوس پر پابندی ہو۔ بلکہ یہ وہ دفعہ ہے کہ بغیر پرمٹ کے کسی غریب کو کھانا کھانے کی اجازت نہیں۔ کسی کو پرمٹ کے بغیر کپڑا پہننے اور مکان میں رہنے کی اجازت نہیں۔ میں اس کی مثال یہ دوں گا۔ کہ ضلع کے اندر کوئٹہ سے نوشکی تک کوئی آدمی چاول۔ دال۔ گڑ۔ آٹا نہیں لے جاسکتا۔ کوئی آدمی دروازہ کے لئے یا مکان کی کھڑکی کے لئے لکڑی بھی نہیں لے جاسکتا اس پابندی سے غریب لوگ نالاں ہیں اور وہاں کے غریب عوام کو بہت تکلیف ہے۔ اگر پابندی قانونی ضروریات کے مطابق اسمگلنگ کو بند کرنے کے لئے ہے۔ تو اسے سرحد کے قریب لگایا جائے۔ نوکنڈی سے آگے لگایا جائے نوکنڈی سے آگے بھی ایران کی سرحد پچاسی میل دور ہے۔ جب نوکنڈی سے اتنا دور ہے تو نوشکی۔ دالبندین پر اس پابندی کا کیا جواز ہے۔ پابندی ہے۔ پرمٹ دیئے جاتے ہیں۔ لیکن غریبوں کے لئے کوئی پرمٹ نہیں ہے۔ مقامی دوکانداروں کے لئے کوئی پرمٹ نہیں ہے۔ پرمٹ ملتا ہے تو اسمگلروں کو۔ میں یہ مطالبہ کرتا ہوں کہ اس دفعہ کو ختم کیا جائے۔ اور اگر نافذ کرنا ہے۔ اور اگر کچھ قانونی ضروریات ہیں تو اس کی حد مقرر کی جائے۔ نوکنڈی سے آگے اس پابندی کو لگایا جائے۔ اس سے آگے چیک لگائی جائے۔ فوج اور لیوی کو رکھا جائے۔ اور اسمگلروں کو نہ جانے دیا جائے

لیکن عوام کو تو کھانے پینے اور رہنے کی سہولتیں دی جائیں - جناب والا ! وزراء صاحبان سے میں معذرت چاہتا ہوں - لیکن ان کی عدم دلچسپی کا ذکر ضرور کروں گا - کہ میرے ضلع کا کسی وزیر صاحب - وزیر صحت - وزیر مواصلات و تعمیرات نے ، وزیر تعلیم نے ، وزیر آبپاشی نے کسی نے بھی دورہ نہیں کیا - اگر کوئی دورہ کیا ہے - تو مجھے بتا دیں کہ کب اور کس تاریخ کو ؟ ان کو پتہ نہیں ہے کہ کام کی رفتار کیسی ہے - کام پایۂ تکمیل تک پہنچا ہے یا نہیں بلکہ ان کو کاغذی رپورٹوں پر انحصار کرنا پڑتا ہے - جو اکثر غلط ہوتی ہیں - میں ان کی خدمت میں گذارش کروں گا کہ اس ضلع کو نظر انداز نہ کریں - بلکہ وقتاً فوقتاً دورہ کیا کریں - تاکہ ان کو کام کے بارے میں پتہ چلے - جناب والا ! اس سال تیس کروڑ روپے کا ترقیاتی بجٹ ہے - لیکن جتنی بھی بدعنوانیوں کی طرف میں نے اشارہ کیا ہے - اگر یہ بدعنوانیاں اسی طرح جاری رہیں تو میں یہ کہوں گا کہ بلوچستان میں مشکل دس کروڑ روپے صرف ہوں گے بقایا بیس کروڑ روپے بے جا صرف ہوں گے - حالانکہ یہ ہمارے فرائض میں نہیں ہے کہ ہم بے جا مصرف کریں - بلکہ ہونا تو یہ چاہیئے کہ ہم بے جا مصارف کو روکیں - کیونکہ ہمارے قائد عوام نہ جانے کتنی دشواریوں اور مجبوریوں کے بعد بلوچستان کو کو رقم فراہم کرتے ہیں - اس رقم کو اگر ہم غفلت ، نادانی اور ناجائز طریقے سے خرچ کریں گے - تو اس کے قصوروار ہم خود ہیں - ہمیں یہ چاہیئے کہ ہم ایک ایک پیسہ کا حساب رکھیں - جناب والا ! بجٹ کے استعمال کے لئے میری ایک تجویز یہ ہے - کہ ہر حلقہ انتخاب کے ممبر کی سربراہی میں ایک کمیٹی تشکیل دی جائے - اور اسی کے ذریعہ سے کام شروع کئے جائیں - اسی کے ذریعے سے ٹھیکیدار یا متعلقہ ادارے کو پیسے ادا کئے جائیں - تاکہ بلوچستان کا بجٹ ضائع نہ جائے - یہ میری گذارش اور تجویز ہے - اس کے بعد میں پھر وزراء کی عدم توجہی کے بارے میں ذکر کروں گا - اور یہ کہوں گا - کہ پریس والے بھی ضلع چاغی کو بھول گئے ہیں - پرلیو میں چاغی کا کہیں کوئی ذکر نہیں ہے - ضلع چاغی سے ہماری پارٹی کے عہدیدار بیانات بھیجتے ہیں -

لیکن پریس والے انہیں ردی کی ٹوکری میں ڈال دیتے ہیں۔ اس کا ایک ثبوت میں یہ پیش کروں گا کہ پچھلے دنوں اسی اجلاس کے دوران میرے جتنے بھی سوالات تھے متعلقہ وزراء نے ان کا جواب دیا تھا۔ لیکن کسی اخبار نے یہ گوارا نہیں کیا کہ اسے شائع کیا جائے۔ شاید اس لئے کہ میں چاغی کا ایم۔پی۔اے۔ ہوں۔ جناب والا! وہاں کے لوگ اتنے مایوس ہو چکے ہیں کہ اب وہ یہ سمجھ رہے ہیں کہ صوبائی حکومت ہمیں نظرانداز کر رہی ہے۔ اور حقیقت بھی ہے کہ ضلع چاغی کو نظرانداز کیا جا رہا ہے۔ اس سال کا بجٹ کافی ہے اس میں کافی رقم دی گئی ہے اس پر سب سے پہلے اپنے قائد جناب ذوالفقار علی بھٹو کو مبارک باد دیتا ہوں کہ ان کی نظریں بلوچستان پر ہیں۔ اور وہ بلوچستان کو ترقی دینا چاہتے ہیں۔ اس لئے وہ بلوچستان کے لئے ہر سال پہلے سے بڑھ کر رقم فراہم کرتے ہیں۔ اس کے بعد میں قائد ایوان جام صاحب کو مبارک باد دیتا ہوں جن کی کوششوں سے بلوچستان کے بجٹ میں کمی نہیں ہوئی بلکہ اضافہ ہوا ہے۔ اور ساتھ ہی وزیر خزانہ رئیسانی صاحب کو بھی اس بجٹ پر مبارک باد پیش کرتا ہوں کہ جنہوں نے اس صوبے میں کوئی بھاری ٹیکس عائد نہیں کیا۔ کیونکہ وہ سمجھتے ہیں کہ بلوچستان کا عام آدمی بھاری ٹیکس ادا نہیں کر سکتا۔ جناب والا! اے۔ ڈی۔ پی۔ تو بن چکا ہے۔ جیسے کہ میں نے اس کا ذکر کیا اور پراچہ صاحب نے بھی ذکر کیا کہ اے۔ ڈی۔ پی۔ کوئی آسمانی کتاب نہیں ہے۔ کہ اس میں کوئی تبدیلی نہ کی جا سکے۔ تو اس میں ذرا سی تبدیلی کی جائے اور اس میں ضلع چاغی کا نام بھی شامل کیا جائے۔ وہاں کی جو یہ عوامی اسکیمیں ہیں۔ جو کہ میری ذات سے نہیں ہیں انہیں شامل کیا جائے۔

نمبرا نوشکی پائپ لائن، کے ذریعے ٹیوب ویل تک پائپ لائن بچھائی جائے اور یہ دیکھا جائے کہ اس کے پانی بڑھانے کے کیا طریقے ہیں اور یہ کام انجنیئروں کے ذریعے کروایا جائے۔ کیونکہ نوشکی کے تمام لوگوں کا انحصار اسی پانی پر ہے۔ زمینداری، پینے کا پانی اور فوجی آفیسروں کی پانی کی ضروریات اسی پانی سے پوری کی جاتی ہیں۔

اس لئے میں گذارش کروں گا کہ اس پانی کو بڑھایا جائے۔ تاکہ زمینداری کی ضروریات بآسانی پوری ہو سکیں۔ اس کے بعد نفتان اور توشکی واٹر سپلائی اسکیم کا مکمل ہونا ہے۔ میں گذارش کروں گا کہ اسے بھی اے۔ ڈی۔ پی۔ میں شامل کریں تاکہ اس پر کام شروع ہو سکے۔

تیسری بات یہ کہ چاغی میں کافی اراضیات پر ٹیوب ویل لگے ہوئے ہیں۔ لیکن وہاں کے زمینداروں میں اتنی طاقت نہیں کہ وہ اسے چلا سکیں۔ اس مسئلہ کے بارے میں جام صاحب سے گذارش کروں گا۔ کہ وہ دو جنریٹر امین آباد اور چاغی کو دیں۔ تاکہ وہاں کی زمینداری کو فروغ حاصل ہو اور خوشحالی ہو سکے۔ نوکنڈی شہر میں بھی بجلی کا انتظام ناقص ہے۔ اس کے لئے بھی میں آپ سے گذارش کروں گا کہ آپ وہاں پر کوئی بڑا جنریٹر لگائیں تاکہ عوام کو سہولت ہو۔ تعلیم کے متعلق میں یہ عرض کروں گا کہ اس وقت چاغی مڈل اسکول اور احمدوال مڈل اسکول کو ہائی اسکول کا درجہ دیا جائے۔ اگر گنجائش ہو تو اس طرح پرائمری اسکولوں میں ایک دالبندین اور دوسرا کلی خدائے رحیم کو مڈل کے درجے دیئے جائیں۔ اس کے علاوہ یک مچ پرائمری اسکول کو مڈل اسکول کا درجہ دینا ضروری ہے۔

جناب والا! دالبندین سے چاغی تک ایک سڑک چالیس میل لمبی جو کئی سالوں سے کچی ہے۔ جسے پختہ کرنا نہایت ضروری ہے۔ میں اپنے وزیر صاحب سے گذارش کروں گا کہ وہ ہر حلقہ انتخاب کے ممبر سے تعاون کریں تاکہ انہیں بھی ہر ممبر کا تعاون حاصل ہو۔ اور جب ہم مل جل کر کام کریں گے تو بلوچستان کی ترقی اور بہبود کے لئے ہم بہت کچھ کر سکیں گے۔ اور جب ہم مل جل کر کام کریں گے تو یہ ناممکن نہیں بلکہ ممکن ہے کہ بلوچستان پاکستان کا ایک خوشحال صوبہ بن جائے۔ لہٰذا میری یہ ان سے گذارش ہو گی کہ وہ ایک حلقہ کو دوسرے حلقہ پر اور ایک علاقے کو دوسرے علاقے پر ترجیح نہ دیں بلکہ پورے

بلوچستان کی ترقی کے لئے کوشش کریں۔ عالی جاہ! ترقی نہ کرنے کی وجہ سرداری نظام ہے۔ اور یہ نظام ہم اس وقت تک نہیں بدل سکتے جب تک وزراء صاحبان اور ممبر صاحبان اس کے خلاف آواز نہیں اٹھاتے۔ انشاء اللہ ہم اس کے خلاف آواز اٹھائیں گے اور ہم اس کے ساتھ ہیں۔ اس کے ساتھ ہی میں اپنی تقریر ختم کرتا ہوں اور موجودہ بجٹ کی پرزور حمایت کرتا ہوں جناب اسپیکر! میں آپ کا اور معزز ارکان ایوان کا بہت بہت شکریہ ادا کرتا ہوں کہ جنہوں نے مجھے بولنے کا موقع دیا اور میری تقریر کو سُنا۔

مسٹر اسپیکر:۔ مگسی صاحب آپ بولنا چاہتے ہیں۔

میر یوسف علی خان مگسی:۔ جناب اسپیکر صاحب! اس بجٹ پر مختلف وزراء صاحبان نے مختلف محکموں کی کارکردگی پر اس سے پہلے کی کارکردگی پر اور موجودہ بجٹ میں جو اسکیمیں آئی ہیں ان پر کافی روشنی ڈالی ہے۔ لیکن میری ناچیز رائے میں ایک پہلو ایسا ہے کہ کسی بھی ممبر نے اس پر روشنی نہیں ڈالی۔ اور میرے خیال میں وہ سب سے اہم پہلو ہے۔ جب سے یہ عوامی حکومت وجود میں آئی ہے۔ اس سے پہلے کبھی بھی اتنی کثیر رقم اس کے لئے نہیں رکھی گئی۔ اور اتنی توجہ کسی نے نہیں دی۔ اور اس کے باوجود کہ ترقی کے اتنے کام ہو رہے ہیں۔ پھر بھی گلہ شکوہ محسوس ہوتا ہے۔ میں ہر محکمہ پر بحث کروں گا۔ کہتے ہیں کہ کام نہیں ہو رہا ہے۔ یہ نہیں ہو رہا ہے وہ نہیں ہو رہا ہے۔ یہ بھی ایک حقیقت ہے۔ بقول غالبؔ

ع "ہزاروں خواہشیں ایسی کہ ہر خواہش پہ دم نکلے"

یقیناً اتنی پس ماندگی بلوچستان میں ہے کہ یہ تو تیس کروڑ روپے

کا بجٹ ہے اگر آپ کا بجٹ ایسے چالیس مرتبہ بھی تیس کروڑ روپے ہو جائے، تو اتنی جلدی ترقی نہیں ہو سکتی اور میں چونکہ پاؤں کے حادثہ کی وجہ سے کچھ عرصہ دور رہا اور جب میں واپس آیا تو میں یہ سمجھ رہا تھا کہ یہاں ہمیشہ کی طرح سیاسی ہل چل ہو گی، لیکن بڑے دکھ کی بات ہے کہ مجھے سیاسی ہل چل تو نظر نہیں آئی، البتہ آغا حشر مرحوم کی نوٹنکی کا تماشا دیکھنے میں آیا، آغا حشر مرحوم نے ایک زمانے میں ایک ڈرامہ شروع کیا تھا، اب میں اس نوٹنکی کے تماشہ کی وضاحت کرتا ہوں، میں آپ کی خدمت میں اس بجٹ کی روشنی میں اور پچھلے بجٹ کی روشنی میں محکمہ وائز بحث کروں گا، اور یہاں جو ڈرامہ مجھے محسوس ہوا ہے، اس کی وضاحت کروں گا، آج کل جو ڈرامہ کھیلا جا رہا ہے، وہ ایسٹ انڈیا کمپنی کا ڈرامہ ہے، جیسے پہلے پہلے ایسٹ انڈیا کمپنی نے بنگال پر قبضہ کرنے کی کوشش کی تھی، یہاں اس کا نام بدل کر ایسٹ بلوچستان کمپنی رکھا گیا، ایسٹ انڈیا کمپنی کو میر جعفر کی ضرورت تھی تو اب یہاں دو کیا تین میر جعفر مل گئے ہیں، جناب! کہا گیا ہے کہ میں پہلے ایک ایک محکمے کا ذکر کروں گا، ایک محکمہ میرے پاس تھا، جو خدا کا شکر ہے کہ اب مجھ سے زیادہ قابل ہاتھ میں ہے، یعنی سیف اللہ بھائی کے پاس ہے، کہا گیا کہ محکمہ سی اینڈ ڈبلیو میں بڑی دھاندلی ہوئی ہے، کوئی کام نہیں ہوا، ایک آدمی اگر اپنا گھر بناتا ہے تو وہ بھی ٹھیکیدار سے کہتا ہے کہ تم نے وائرنگ اچھی نہیں کی نلکہ نہیں لگایا اور اس کی پلاننگ نہیں کی ہے، تو جناب! یہ تو ایک طریق کار ہے، آخر کروڑوں کا کام ہے، یقیناً کوئی نہ کوئی دھاندلی ہوئی ہو گی رکھتے ہیں محکمہ بد دیانت ہے، وزیر بد دیانت ہے، بد دیانت وزیر اس سے زیادہ اور کیا کر سکتا تھا کہ اس نے ہوائی اڈے کو نہ بنانے پر ایکسین کو خود معطل کیا ہے، میں نے خود ایکسیڈنٹ سے پہلے اس ایکسین کو معطل کرنے کے آرڈر کئے، اس کے خلاف تحقیقات ہو رہی ہے، اور اس کے علاوہ ہیلی پیڈ والے ایکسین کے خلاف بھی انکوائری ہو رہی ہے، یہ ہٹلر کا راج تو

نہیں ہے کہ کسی کو بغیر کسی قانون کے نکال دیا جائے۔ اگر اس پر جرم ثابت ہو جاتا ہے تو اسے نکالا جائے گا۔ ایسے دو ایجین کو نکالا گیا تو پھر جناب! میں اس کے علاوہ اور کیا کر سکتا ہوں؟ جناب پھر کہا گیا کہ انجینئروں کے حقوق غصب کئے گئے ہیں۔ باہر کے لوگ یہاں سے جائیں۔ جناب والا! میں نے ۲۸ رجنوری ۱۹۷۵ء کو آرڈر کئے تھے۔ میرے پاس اس کی ایک مطبوعہ کاپی موجود ہے۔ اگر جناب کہیں تو میں آپ کو دکھا دیتا ہوں۔ تو جناب! میں نے یہ احکامات خود جاری کئے۔ لیکن اس دوران شیرپاؤ کا حادثہ پیش آ چکا تھا۔ اور پھر سرحد میں کوئی کابینہ نہیں تھی۔ جب کابینہ تشکیل ہوئی تو میں ہسپتال میں تھا مگر پھر بھی خدا کا شکر ہے کہ جو کام چھوٹے بھائی سے نہ ہو سکا، وہ بڑے نے کر دکھایا۔ ائرپورٹ کا مسئلہ ایسے اپوزیشن کے ہاتھ آیا کہ جیسے کہتے ہیں چوہے کے ہاتھ ہلدی آئی تو وہ پنساری بن بیٹھا۔ تو جناب! فرشتے تو ہم ہیں نہیں۔ یقیناً بدعنوانی ہوئی ہو گی۔ ادھر ادھر کچھ ہو گیا ہو گا۔ اس کا یہ مطلب تو نہیں ہے کہ دوزخِ نمرود کے سب دروازے سی اینڈ ڈبلیو ڈیپارٹمنٹ کے لئے کھول دیئے جائیں جسے اپوزیشن گلزار خلیل بنانا چاہتی تھی۔ تو جناب! میرا چیلنج ہے۔ ہر عدالت مقدس ہوتی ہے لیکن یہ عوامی عدالت ہے۔ اس لئے میرا ان بزرگوں کو چیلنج ہے جو کافی اڈوں میں ادھار کی چائے لوگوں کو پلا کر حکومت کے خلاف پروپیگنڈہ کرتے ہیں۔ میں اب سب محکموں کی طرف آتا ہوں کہ کس طرح وہ ہر محکمہ کو بدنام کرنا چاہتے ہیں۔ کہ جی۔ یہاں یہ ہوا۔ وہاں یہ ہوا وغیرہ وغیرہ تو میرا ان کو کھلا چیلنج ہے۔ ہر وزیر پہلے ایوان کا ممبر ہوتا ہے اور اس کے بعد وہ وزیر بنتا ہے۔ وہ دنیا کی کسی عدالت میں چلے جائیں۔ ہائی کورٹ میں چلے جائیں اور دیکھیں کہ سی اینڈ ڈبلیو کے وزیر نے .... میرے باپ دادا کی تو اکبر کے وقت سے جائیداد ہے۔ ادھار کی چائے پینے والوں

نے گدھا بھی نہیں دیکھا ہوگا۔ جب کہ میرے دادا موٹروں میں گھومتے تھے
جائیں اور دیکھیں میں نے کون سی اور کیسی جائیداد بنائی ہے۔ میری کون سی
بسیں چل رہی ہیں۔ میرا کون سا بینک بیلنس ہے۔ اندرون ملک یا بیرون ملک
اگر آپ نے سامنا کرنا ہے اور محاسبہ کرنا ہے تو پہلے اپنا محاسبہ بھی کریں۔
ایک ہمارے بھائی ضمنی بجٹ میں فرما رہے تھے کہ ہم لوگوں کو منہ کیسے
دکھائیں گے۔ تو میں عرض کرتا ہوں کہ ہم تو دودھ نہیں پیتے کہ ہمارے چہرے
سرخ و سفید ہوں۔ ہمارے چہرے اس قدر پیارے اور گلنار نہیں ہیں کہ
ہم کسی کو چہرہ دکھائیں۔ لیکن ہمارے دل کالے نہیں ہیں۔ کہ ہم کسی کو چہرہ
دکھاتے ہوئے شرمائیں اور کسی کو اپنا چہرہ نہ دکھا سکیں۔ اگر محاسبہ کرنا ہے
کہ پہلے کیا تھا اور اب کیا ہے۔ اور ایسی تحریک وہ چلا رہے ہیں، تو میں پوچھتا
ہوں کہ وہ کون سے پیسے ہیں اور کہاں سے آتے ہیں۔ جن سے وہ لوگوں کو
ادھار چائے پلا کر گورنمنٹ کے خلاف پروپیگنڈہ کرتے ہیں۔ کہنے لگے کہ جی
ریئسانی ہاؤس، بیلہ ہاؤس وغیرہ تو جناب میں کہتا ہوں کہ جس وقت
احمد شاہ ابدالی یہاں سے گزرا تھا۔ اس وقت بھی ریئسانی ہاؤس، بیلہ ہاؤس
اور مگسی ہاؤس تھے اور کہنے والوں کے جھونپڑے بھی نظر نہیں آ رہے تھے۔
بات کیا ہے؟ میں جانتا ہوں کہ گورنمنٹ کو بدنام کرنے کی منظم
سازش ہے۔ جو وہ یہاں چلا رہے ہیں۔ یہ تو احسان مانیں بھٹو صاحب کا
کہ ان کی حکومت بنی جب اسلحہ آیا تو انہوں نے اپنی آنکھیں بند کر لیں، اور پھر
اس حکومت نے اس اسلحہ کو ظاہر کیا۔ یہ بات ان کو پسند نہیں آئی۔ پھر قبائل
میں بغاوت کروائی۔ لیکن وہاں راولپنڈی میں اس وقت ایک مضبوط اور
نیک نیت قیادت تھی۔ جب لوگوں نے دیکھا کہ یہاں کالونیاں بنائی جا
رہی ہیں اور لوگ ان میں آباد ہو رہے ہیں، تو لوگوں نے سوچا کہ ہمارا
اس میں فائدہ ہے۔ اس لیے وہ بھی ہو گیا۔ اور معاملہ ٹھپ ہو گیا۔

پھر گرینیڈ استعمال ہوئے اور ٹھپ ہو گئے، تو ابھی انہوں نے اگلے انتخابات کے لئے ہٹلر اور گوئرنگ والا طریقہ اختیار کیا ہے کہ دس پندرہ بار ایک جھوٹ بولو تو وہ سچ ہو جاتا ہے۔ لیکن یہ تو پہلے ہی اتنے جھوٹ بول چکے ہیں کہ اگر یہ سچ بھی بولیں تو کسی کو ان پر یقین نہیں آئے گا۔

(نعرہ تحسین)

یہ سارا معاملہ ہو گیا تو پھر کہتے ہیں کہ محکمۂ خوراک خالص خوراک نہیں مہیا کرتا اور خالص خوراک لوگوں کو نہیں ملتی۔ تو بھائی دودھ چائے اور چینی تو آپ کو خالص مل رہی ہے۔ جس کی چائے بنا کر آپ لوگوں کو پلاتے ہیں اور کم از کم نمک تو خالص ہے جس کا حق ادا کر کے آپ گورنمنٹ کے خلاف پروپیگنڈہ کرتے ہیں۔ اور لوگوں کا حق نمک ادا کر رہے ہیں تو جناب یہ ساری بات دراصل بیچارے شکم کی ہے۔ یہاں مجھے ایک شعر یاد آ گیا ہے

"شکم نے دل کی حقیقت بھی کھول دی آخر
مقام رزق سے اونچا کوئی مقام نہیں"

تو یہ سیاسی مقام رزق ہے جس کو حاصل کرنے کے لئے یہ پاپڑ بیلے جا رہے ہیں۔ تو اصلی جھگڑا یہی ہے۔ لیکن جناب والا! بلوچستان اتنا سستا نہیں ہے۔ یہ کوئی حلوہ نہیں ہے کہ چائے خانوں میں بیٹھ کر حکومت کو بدنام کیا جائے۔ کام چل رہا ہے اور اچھی طرح چل رہا ہے۔ جیسا کل بھی میاں صاحب نے کہا اور کھل کر کہا کہ ہم نکتہ چینی کو خوش آمدید کہتے ہیں۔ لیکن میں میاں صاحب سے معافی چاہتے ہوئے اور بصد ادب ان سے بڑھ کر یہ کہوں گا کہ جناب آپ ان کی نکتہ چینی کو تو خوش آمدید کہتے ہیں، لیکن ان کی چائے چینی کو بھی خوش آمدید کہیں جس سے کافی ہاؤسوں میں چائے بنتی ہے۔ تو اگر محاسبہ ہونا ہے تو ہمارا بھی محاسبہ ہو اور ان

کا بھی ہو تو پھر ہم دیکھتے ہیں کہ وہ چلمن میں چھپتے ہیں یا ہم چھپتے ہیں۔ تو یہ عام بجٹ ہے۔ کیا ہوا؟ میری کئی ایسی اسکیمیں تھیں جو شامل نہیں ہو سکیں۔ ہماری بھی کئی ایسی ضروریات تھیں جو پوری نہیں ہو سکیں۔ بجٹ میں تو تیس کروڑ روپے رکھے گئے ہیں میں کہتا ہوں اگر ایسے کئی اور تیس کروڑ روپے بھی ہوں تو پورے نہیں ہو سکتے۔ کیونکہ یہاں کی ضروریات بہت زیادہ ہیں جو اس سال نہیں ہوا ہے وہ آئندہ سال ہو جائے گا۔ اگر ایک بھائی کا بھلا ہو رہا ہے تو دوسرے بھائی کو صبر کرنا چاہیئے۔ میں تو دیکھتا ہوں کہ کبھی خٹک ڈانس شروع ہوتا ہے۔ کبھی کھتا کلی شروع ہو جاتی ہے اور کبھی مغل ڈانس ہو رہا ہے۔ اور اچانک کلاسیکل ڈانس شروع کر دیتے ہیں اور پھر آخر کار راک اینڈ رول شروع ہو جاتا ہے۔ میں حیران و پریشان ہوں کہ آخر یہ کیا ہو رہا ہے۔ کیا ہم گدو بندر کی تیاری کر رہے ہیں اور پھر لابی میں feeding bottle رکھ کر سیاست شروع کی جاتی ہے۔ یہ ایک حیران کن مرحلہ ہے۔ میں سمجھتا ہوں کہ لوگ روز بروز ذہنی طور پر بالغ ہوتے جاتے ہیں لیکن ہمارے کچھ بھائی روزانہ ذہنی طور پر نابالغ ہوتے جا رہے ہیں۔ اور جہاں تک یہ فرماتے ہیں کہ چڑھتے ہوئے سورج کی پوجا کی جاتی ہے تو کم از کم ہمیں اتنی تو عقل ہے کہ ہم چڑھتے ہوئے سورج کو مشرق کی جانب دیکھتے ہیں جہاں سے کہ سورج نکل رہا ہے اور اس کی روشنی میں یہاں ترقیاتی کام ہو رہے ہیں۔ ہم اتنے اندھے نہیں ہیں کہ شمال مغرب کی طرف دیکھ رہے ہیں جہاں سورج ڈوبنے کی جگہ ہے تو وہاں سے سورج کبھی نہیں نکلے گا۔ قیامت تک نہیں نکلے گا۔

(تالیاں)

جہاں تک تعاون کا تعلق ہے۔ تو سب سے پہلے میں کہتا ہوں کہ ہم تعاون کے لئے تیار ہیں۔ ہماری حکومت تعاون کے لئے تیار ہے۔ لیکن جہاں محاسبہ کا تعلق ہے تو میرے ساتھی بیٹھے ہوئے ہیں۔ پریس بیٹھی ہوئی ہے۔

میں کھلا چیلنج کرتا ہوں کہ آؤ محاسبہ کریں کہ ہم نے اور تم نے کیا کھایا پیا ہے ؟ ہماری کیا بددیانتیاں ہیں ؟ کام میں کمی بیشی تو ہو جاتی ہے ، کبھی کبھی شادی کے بعد abortion بھی ہو جاتا ہے کچھ قدرتی باتیں بھی ہوتی ہیں ، لیکن اگر وہ کہتے ہیں کہ محاسبہ ہو تو ٹھیک ہے ، بسم اللہ ، ہم چیلنج قبول کرتے ہیں ۔ آپ بھی کریں ، اور وہ ہم پر بہت بڑا احسان کریں گے کہ وہ ہمارا محاسبہ کریں ۔ ہم پر نکتہ چینی کریں تاکہ ہماری کارکردگی عوام کے سامنے آ سکے ۔ تو ہم عوام کے سامنے پیش ہونے کے لئے بالکل تیار ہیں ، اس کے علاوہ اگر وہ بجٹ میں کوئی خامی نکال سکتے ہیں تو بالکل نکالیں اور ہمیں بتائیں ۔ تو ان الفاظ کے ساتھ میں اس بجٹ کی پرزور حمایت کرتے ہوئے وزیر خزانہ کو مبارکباد دیتا ہوں اور اپنی تقریر ختم کرتا ہوں

شکریہ

(تالیاں)

میر صابر علی بلوچ :-

جناب اسپیکر ! میں بجٹ پر تقریر کرنے سے پہلے ان معاشی محرکات کا جائزہ لوں گا کہ جو اقتصادیات پر اثر انداز ہوئے ہیں ، تو جناب ۷۵-۱۹۷۴ء کا سال سنگین اقتصادی بحران کا سال تھا ۔ تیل کی قیمتوں میں اضافہ ، افراط زر کا دباؤ اور صنعتی پیداوار میں کمی نے پوری دنیا کی اور خاص طور پر ترقی پذیر ملکوں کی معیشت کو نقصان پہنچایا ۔ جہاں تک پاکستان کی معیشت کا تعلق ہے تو وہ سب کو پتہ ہے کہ پاکستان میں پچھلا دور ایک ایسا دور تھا کہ میں سمجھتا ہوں کہ برصغیر کی تاریخ میں کبھی بھی ایسا دور نہیں آیا ہوگا ۔ پاکستان کا ایک حصہ کٹ چکا تھا ، لوگ پریشان تھے ، کارخانے بند تھے ، سرمایہ دار اور اس

ملک کے جاگیردار سوچ رہے تھے کہ یہ جو باقی حصہ بچا ہے، اس کو کس طریقے سے ختم کیا جائے۔ لیکن وزیراعظم، میرے چیئرمین، میرے قائد اور قائد عوام جناب ذوالفقار علی بھٹو کی قیادت میں ہم نے تمام بحرانوں پر قابو پایا۔ اور سب نے دیکھا کہ انہی کی بدولت۔ انہی کے تدبر و فراست سے ہم نے اپنی معیشت کو کنٹرول کیا اور سنبھالا۔

جناب والا! اس دفعہ مرکز نے انتیس کروڑ آٹھ لاکھ روپے ترقیاتی اسکیموں کے لئے ادا کئے ہیں اور غیر ترقیاتی بجٹ میں خسارے کو پورا کرنے کے لئے آٹھ کروڑ ننانوے لاکھ روپے رکھے ہیں۔ تو میں کہتا ہوں کہ مرکز کی اس فراخدلانہ امداد کے کوئی خاطر خواہ نتائج نہیں نکلے۔ کیونکہ پیسہ صحیح طور پر خرچ کرنے کے لئے سب سے بڑی ضرورت منصوبہ بندی کی ہوتی ہے۔ پھر اس کے بعد ان منصوبوں کو صحیح طور پر عملی جامہ پہنانے کی ضرورت ہوتی ہے۔ یہاں یہ حال ہے کہ اگر منصوبہ بندی صحیح ہوتی ہے تو عملی کام ہم کچھ نہیں کرتے۔ جس کی وجہ سے ہمارے بجٹ میں بھی بتایا گیا ہے، کہ جتنے بھی منصوبے ہیں وہ سب نامکمل پڑے ہوئے ہیں۔ پچھلے سال اس ایوان میں جب وزیر خزانہ نے بجٹ پیش کیا تھا۔ تو یہ فرمایا تھا کہ چونکہ اس سے پہلے اکبر خان گورنر تھے تو انہوں نے پورے سال میں صرف ۷۰ لاکھ روپے خرچ کئے تھے۔ جس کی وجہ سے کوئی بھی اسکیم شروع نہیں ہوئی۔ لیکن بقول ہمارے وزیر خزانہ اور وزیر اعلیٰ آخری تین مہینوں میں ہم نے فنڈ لے کر ترقیاتی کام شروع کر دیئے۔ تو جب پچھلے سال ہمارا بجٹ پیش کیا گیا تھا۔ تو اس میں بھی زیادہ حصہ ترقیاتی کاموں کا رکھا گیا تھا۔ اور اس سال بھی تقریباً جتنا بھی ترقیاتی بجٹ ہے، وہ سب کا سب نامکمل اسکیموں کو مکمل کرنے کے لئے رکھا گیا ہے۔ صرف پانچ کروڑ روپے نئی اسکیموں کے لئے رکھے گئے ہیں۔ لیکن میں کہتا ہوں کہ اکبر خان کے بعد ہم نے یہ دوسری

مرتبہ بجٹ پیش کیا ہے۔ اور اس پر بحث بھی کر رہے ہیں۔ لیکن مجھے اب تک کوئی ایسی اسکیم نظر نہیں آئی جو کہ مکمل ہوئی ہو۔ اسکیں تو اپنی جگہ موجود ہیں میں یہ نہیں کہتا کہ اسکیں نہیں ہیں۔ اور حکومت نے ایمانداری کے ساتھ ان اسکیموں کو مکمل کرنے کی کوشش بھی کی ہے۔ لیکن چونکہ سب کام سست چل رہا ہے کام کی رفتار کچھ بھی نہیں ہے۔ اس وجہ سے یہ نااہلی ہے بیوروکریٹ کی اور گورنمنٹ کے ملازمین کی نااہلی ہے کہ وہ اب تک کسی پروجیکٹ کو مکمل نہیں کر سکے۔

جناب والا! اب میں محکمہ جات کے متعلق عرض کروں گا تو سب سے پہلے میں محکمہ آب پاشی کو لیتا ہوں۔ محکمہ آب پاشی میں اس سال بھی وسائل آب نوشی کے لئے سات کروڑ ترپن (۵۳) لاکھ روپے رکھے گئے ہیں اس کے لئے گذشتہ سال چھ کروڑ ساٹھ لاکھ روپے رکھے گئے تھے۔ جناب والا عام طور پر یہ ہوا کرتا ہے کہ بجٹ پر پہلے عام ممبران بولتے ہیں پھر اس کے بعد وزراء صاحبان ان کا جواب دیتے ہیں۔ اب میں حیران ہوں کہ وزیر آب پاشی نے اپنی تقریر کر لی وزیر صحت نے اپنی تقریر کر لی اور براہیچ صاحب منسٹر لوکل گورنمنٹ نے بھی تقریر کر لی۔ تو اگر اب ہم کچھ اعتراض کریں تو اس کا جواب کون دے گا۔

آوازیں :- جام صاحب جواب دیں گے۔

میر صابر علی بلوچ :- جام صاحب تو جواب دیں گے۔ لیکن اگر وزیر متعلقہ جواب دیتے تو زیادہ بہتر تھا۔

اب جناب والا! اورماڑہ واٹر سپلائی اسکیم کو لیجئے۔ اس پر اب تک ایک کروڑ روپیہ خرچ آچکا ہے۔ بسول ایک ندی کا نام ہے۔ وہاں

ہے وہ پانی لے جایا جا رہا ہے ، پسول سے اور مارڑہ تک ۲۵ میل کا فاصلہ ہے ،
تو ۲۵ میل کے فاصلے سے پانی لانے کے لئے اب تک ایک کروڑ روپیہ کا خرچہ
اٹھ چکا ہے ، اور اس سال پھر اس کے لئے پچاس لاکھ روپیہ رکھا گیا ہے ، لیکن
میں یقین سے کہتا ہوں کہ اس پر پچاس ہزار روپے کا کام بھی نہیں ہوا ہے ۔
گوادر واٹر اسکیم کو آپ لیں ۔ ریاض مرحوم گورنر نے اس پر کام شروع کروایا
تھا ۔ گوادر کا سنٹ سے فاصلہ ۴۵ میل ہے تو وہاں سے پانی گوادر پہنچایا جاتا
ہے ، تو اس ۴۵ میل سے پانی لانے پر کل ۴۵ لاکھ روپیہ خرچ ہوا ، لیکن اس
۲۰ میل کے لئے محکمہ آب پاشی نے اب تک ایک کروڑ روپیہ خرچ کیا ہے ،
اور اب پھر پچاس لاکھ روپے رکھے گئے ہیں ، اور ہو کیا رہا ہے ؟ ہو یہ رہا
ہے کہ وہاں دھڑا دھڑ پائپ بھیجے جا رہے ہیں ، اس لئے میں سمجھتا ہوں کہ یہ
واٹر سپلائی اسکیم نہیں بلکہ پائپ سپلائی اسکیم ہے ، دو انچ ، تین انچ ،
چار انچ ، پانچ انچ ، دس انچ ہر طرح کے پائپ وہاں پڑے ہوئے ہیں لیکن
کام کوئی نہیں ہوتا ہے ۔

اس کے علاوہ جناب والا ! میں محکمہ آب پاشی کے متعلق عرض
کرتا ہوں ، واٹر سپلائی اسکیم کے لئے یونیسیف نے بطور عطیہ کچھ پائپ دیئے
تھے اور محکمہ نے یہ کہہ دیا ، کہ یونیسیف کی طرف سے جو پائپ دیئے ہیں وہ
پورے نہیں آئے ، اور جناب والا ! محکمہ کے افسران نے ان یونیسیف کے
پائپوں کو دیکھا کر چھ لاکھ کی خریداری کر لی ۔ خریداری تو کہیں سے نہیں ہوئی ،
ان پائپ کو دیکھا گیا ، کہ یہ پائپ ہیں ، ہم نے خریداری کی ہے ، اور اس پر
چھ لاکھ روپے خرچ آیا ہے ، اس پر محکمہ آب پاشی کے ایک سینئر اکاؤنٹنٹ
نے اعتراض کیا تھا ، کہ یہ چھ لاکھ کا حکومت کا خسارہ جا رہا ہے ، اور سرکار
کو یہ چھ لاکھ کا مفت کا نقصان ہوا ہے ، لیکن انہوں نے اس کو معطل کیا
جس شخص کو جناب معطل کر دیا گیا ، ایک اکاؤنٹنٹ تھا تو یہ ہمارے محکمہ

آب پاشی کی کارکردگی ہے۔ میں عرض کر رہا ہوں، کہ اس کے علاوہ محکمہ آب پاشی نے بیلہ اور پشین لورا کے ٹیوب ویل کے لئے ڈیڑھ کروڑ روپے کے پائپ خریدے، اور اب پشین لورا میں ایک انچ پائپ نہیں ہے، اور بیلہ میں بھی ایک انچ پائپ نہیں ہے، یہ ڈیڑھ کروڑ روپے کی خریداری ہوئی۔ اور وزیر صاحب سے جب ہم نے عرض کیا تو انہوں نے کہا کہ پورا پورا پائپ اسٹور میں پڑا ہوا ہے تو میں نے ذاتی طور پر جا کر دیکھا تو ڈیڑھ کروڑ کیا ڈیڑھ روپے کے پائپ بھی وہاں نہیں تھے۔ جناب والا! یہ تنقید میں صرف اس لئے کر رہا ہوں کہ لوگوں کو ہم سے بہت توقعات ہیں ہمارے چیئرمین کو ہم سے کافی توقعات ہیں اور میں صرف یہ عرض کر رہا ہوں کہ ہم نہ چیئرمین کی توقعات پر پورا اتر رہے ہیں اور نہ لوگوں کی توقعات پر پورا اتر رہے ہیں۔

اس کے بعد جناب محکمہ تعمیرات و مواصلات کے لئے ۸ کروڑ ۴۵ لاکھ روپے رکھے گئے ہیں، افسوس سے کہنا پڑتا ہے کہ آپ کوئٹہ سے چمن تک چلے جائیں سوراب تک چلے جائیں، کچھ کے علاقہ میں چلے جائیں، خضدار اور جھالاوان تک چلے جائیں، کراچی تک پہنچیں، چاغی میں جائیں، صرف واحد ضلع مکران ہے جہاں پر ایک انچ بھی پکی سڑک نہیں ہے، اور ہر سال پانچ میل بھی پکی ہوتی تو بھی لوگوں کو تسلی ہوتی، خضدار کو ملانے کے لئے سوراب تک پکی سڑک بنائی گئی۔ اگر اس سال سوراب سے لے کر بے سیمہ تک اسکیم شامل کرتے، تربت سے پنجگور تک یا تربت سے بے سیمہ تک تو بھی بڑی بات ہوتی، کمیونیکیشن ترقی کے لئے بڑا ذریعہ ہے، لیکن افسوس سے کہنا پڑتا ہے کہ ہمارے ضلع کے لئے ایک اسکیم بھی نہیں رکھی گئی۔ یہ ہمارے مکران کے لوگوں کے ساتھ بہت بڑی زیادتی ہے، میں آپ کے توسط سے محکمہ تعمیرات و مواصلات کے وزیر صاحب سے اور وزیر اعلیٰ صاحب سے عرض کروں گا کہ میری اس درخواست پر غور و توجہ کیا جائے۔ ایک پکی سڑک کی

اسکیم کو سوراب سے بے سیمہ تک اس سال اے، ڈی، پی میں شامل کیا جائے۔

اس کے بعد محکمہ تعلیم کے متعلق عرض کرتا ہوں۔ محکمہ تعلیم میں اب تک اچھا خاصا کام ہوا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ وزیر اعظم نے حکم دیا ہے کہ ہر ضلعی ہیڈ کوارٹر میں ایک انٹرمیڈیٹ کالج بنایا جائے۔ اور ان کے فرمان پر ہماری حکومت نے پوری طرح عمل کیا ہے۔ اور اب کوئی ایسا ہیڈ کوارٹر نہیں ہے، جہاں پر انٹرمیڈیٹ کالج نہیں کھولا گیا ہے۔ اور یہ جناب ہماری حکومت کی بڑی اچھی کارکردگی ہے کہ مری اور بگٹی ایجنسی میں جہاں پر وہاں کے سردار ایک پرائمری اسکول بھی کھولنے کی اجازت نہیں دیتے تھے جہاں پر لوگ توقع اور تصور بھی نہیں کر سکتے تھے کہ ہمارے بچے بھی تعلیم حاصل کر سکیں گے۔ میرے علم کے مطابق وہاں پر ۳۵ پرائمری اسکول کھولے گئے ہیں میرے پاس وہاں کے لوگ آئے ہیں۔ اور انہوں نے کہا کہ وہاں پر اور بھی پرائمری اسکول کھولے جائیں۔ نہ صرف وہاں پر پرائمری اسکول کھولے گئے بلکہ مڈل اسکول بھی کھولے گئے اور ڈیرہ بگٹی میں کالج بھی کھولا گیا۔ تاکہ وہاں کے لوگ تعلیم حاصل کر سکیں۔ اور کوہلو میں بھی کالج قائم ہو رہا ہے۔ تو محکمہ تعلیم کے سلسلے میں ہماری حکومت نے جو کام کیا ہے میں اس پر اپنی حکومت کو مبارک باد دیتا ہوں۔ اور میں سمجھتا ہوں کہ اس سے ایک ذہنی انقلاب آئے گا۔ اور انشاءاللہ تعالےٰ ایک دن ایسا آئے گا کہ بلوچستان کے لوگ اچھی طرح سے ترقی کر سکیں گے۔

اس کے بعد جناب والا! محکمہ صحت ہے۔ محکمہ صحت کے متعلق عرض کروں کہ دو سال تک پنجگور میں ایک بھی میڈیکل آفیسر نہیں تھا اس سال وہاں پر ایک میڈیکل آفیسر کو بھیجا گیا۔ لیکن معلوم ہوا ہے کہ وہاں پر نہ کوئی نرس ہے اور نہ کوئی دوائیوں کا بندوبست ہے

میں وزیر صحت مولوی صاحب سے درخواست کروں گا کہ وہاں پر کوئی نرس بھیج دیں ۔ اور دوائیوں کا بھی بندوبست کریں ۔ اس کے علاوہ میں ایک اور عرض کرتا ہوں کہ ہمارے ٹیکسوں کی وصول یابی کا جو طریقہ کار ہے ۔ وہ صحیح نہیں ہے ۔ اگر ہم ٹیکسوں کی وصول یابی کے طریقہ کار کو صحیح بنائیں تو میرے خیال میں جو بقایاجات ہیں وہ لوگوں سے لئے جا سکتے ہیں ۔ جس طرح موٹر وہیکلز والوں پر لاکھوں روپے واجب الادا ہیں ۔ لیکن چونکہ وصولی کا طریقہ ہی صحیح نہیں ہے ۔ تو پھر لوگوں سے پیسے کیسے لے سکتے ہیں ۔ مال بردار ٹرکوں پر ٹیکس میں اضافہ کیا گیا ہے ۔ میں سمجھتا ہوں کہ حکومت اس کو واپس لے لے تو لوگوں پر بہت بڑا احسان ہوگا ۔ اور خاص طور پر ٹرک مالکان پر جو بے چارے قسطوں پر ٹرک خریدتے ہیں ۔ اور اس کے علاوہ بلوچستان کے اندرونی علاقوں میں ٹرکوں کے علاوہ اور کوئی ذریعہ بھی نہیں ہے کہ مال پہنچایا جائے ۔ اگر ٹرک مالکان کے ٹیکسوں میں اضافہ کیا گیا تو وہ کرائے میں اضافہ کر دیں گے ۔ تو جب کرایہ میں اضافہ ہوگا تو اس کا براہ راست لوگوں پر اثر پڑے گا ۔ اس لئے میں اپنی حکومت سے درخواست کروں گا کہ اس پر غور و خوض کرے ۔ اس کے بعد جناب والا ! معدنیات پر ٹیکس بڑھانا بہت ضروری تھا ۔ پچھلے سال اس ایوان میں میں نے ذکر کیا تھا ۔

مسٹر اسپیکر : ایوان کی کارروائی آدھ گھنٹے کے لئے ملتوی کی جاتی ہے ۔

(ایوان کی کارروائی گیارہ بج کر تیس منٹ پر
آدھے گھنٹے کے لئے ملتوی ہو گئی ۔)

(ایوان کی کارروائی دوبارہ زیر صدارت اسپیکر
سردار محمد خان باروزئی دوپہر بارہ بج کر
نومنٹ پر شروع ہوئی)

وزیر اعلیٰ:- جناب والا پوائنٹ آف آرڈر! کیا صرف رجسٹر پر دستخط ثبت کر دینے سے ممبر کی حاضری ہو جاتی ہے، یا اسمبلی کے ممبر کا ایوان میں بیٹھنا ضروری ہے۔

مسٹر اسپیکر:- میرا خیال ہے جو رجسٹر پر دستخط کرتا ہے تو یہی سمجھا جاتا ہے کہ وہ حاضر ہے اور وہ ایوان کی کارروائی میں شریک ہے۔

وزیر اعلیٰ:- جناب والا! شاید میرا پوائنٹ آف آرڈر واضح نہیں ہوا۔

A Member enters the Hall of the Assembly during the interval, signs the attendance register at the Table but does not actually sit in the Hall during the proceedings of the Assembly. The question is whether according to rules he is to be treated as present in the sitting of the Assembly.

مسٹر اسپیکر:- میں اس پوائنٹ آف آرڈر پر اپنی رولنگ محفوظ رکھتا ہوں بعد میں دوں گا۔

میر صابر علی بلوچ:- جناب والا! میں یہ عرض کر رہا تھا کہ ایسی اور بھی کافی اسکیمیں ہیں جن کو اولیت دی جاتی ہے۔ یہ بلوچستان کے لوگوں کے لئے زیادہ سود مند ہوتا۔ مثال کے طور پر میں اپنے علاقے کی بات کرتا ہوں اس سے محکمہ تعمیرات و مواصلات کا تعلق ہے۔ کہ پنجگور سے کراچی جانے کے لئے وہاں کے لوگوں کو ایک مرتبہ اوتناب جانا پڑتا ہے۔ اس کا وہاں سے ایک سو پچاس میل فاصلہ ہے۔ اور پھر اوتناب سے اوانگ جانا پڑتا ہے۔ جو ایک سو دس میل کا فاصلہ ہے۔ پنجگور سے کراچی جانے کے لئے پانچ سو میل کا لمبا چکر لگا کر جانا پڑتا ہے۔ جبکہ پنجگور سے کچھ کے راستے آواران اور پنجگور صرف اسی میل ہے۔ سڑک بھی بن چکی ہے۔ اور اب صرف ایک پہاڑ ہے۔ اگر اس پہاڑ کو کاٹا جائے تو اسی میل بن جائے گا اور اس طرح کچھ کے لوگ دو سو ساٹھ میل کے سفر سے بچ جائیں گے۔ اور اگر اس پر بھی متعلقہ وزیر غور کریں تو میں ان کا بڑا شکر گزار ہوں گا۔ اس کے بعد میں فش ہاربر کے متعلق کہوں گا یہ ایک بہت بڑا پلان ہے اس پر ماہرین نے یہ اندازہ لگایا ہے کہ اس کو مکمل کرنے کے لئے چالیس کروڑ روپے کی ضرورت ہے۔ پچھلے سال کے اے ڈی پی میں چالیس لاکھ روپے رکھے گئے تھے۔ اور اس سال پھر اس پروجیکٹ کیلئے پچاس لاکھ روپے

رکھے گئے ہیں تو جناب والا! اگر ہر سال پچاس لاکھ روپے اس کے لئے رکھے جائیں چالیس کروڑ کی یہ اسکیم کتنے سالوں میں مکمل ہو گی۔ میرے خیال میں اس کے لئے چالیس سال یا اسّی سال کا عرصہ درکار ہوگا اگر چالیس لاکھ یا پچاس لاکھ کی رقم چالیس کروڑ کے پروجیکٹ کے لئے رکھی جاتی رہی لہٰذا میں نہیں سمجھتا کہ یہ ایک صحیح قدم ہے۔ جو یہ لوگ کر رہے ہیں۔ میں درخواست کروں گا کہ جناب اس پر غور کریں۔ دوسری بات یہ ہے کہ ایک ایسا پروجیکٹ ہے جس میں ٹیکنیکل ایکسپرٹ کی بہت ضرورت پڑتی ہے لیکن میں نہیں سمجھ سکا کہ ایک ایگزیکٹیو انجینئر جس کا کام روڈ بنانا ہے جو ہاربر کے نام سے بھی واقف نہیں ہے۔ اسے اس پروجیکٹ کا ڈائریکٹر بنا کر بھیج دیا گیا۔ اس بات کی وضاحت آج کے سوالات میں ہو گئی ہے۔ کہ اب تک فش ہاربر کی کس چیز پر کام ہوا ہے اس کے علاوہ ہوائی اڈہ سے لے کر مچھلی بندر تک شنگل روڈ اور فش ہاربر میں کیا ترقی ہو چکی ہے۔ جناب والا! یہ لوگ بنیادی طور پر عمارتیں بنانے والے ہیں۔ انہوں نے ابھی تک اسٹاف کے لئے کوارٹرز، عمارت کے لئے سامان کی سپلائی اور شنگل روڈ کی تعمیر کی ہے۔ جناب! کوارٹرز بنائے جاتے ہیں لیکن بنیادی پروجیکٹ کو ابھی تک شروع نہیں کیا گیا ہے۔ جناب والا! میرے کہنے کا مقصد یہ ہے کہ وہ یہ پروجیکٹ نہیں چلا سکتے۔ یہ ان کے بس کی بات نہیں ہے اگر آپ اس اسکیم کے لئے سنجیدہ ہیں تو جناب ہمارے بلوچستان کا ایک ادارہ بی۔ڈی۔اے ہے۔ اس میں ٹیکنیکل ایکسپرٹ ہیں انہوں نے ابھی گھی کا پلانٹ بھی شروع کیا ہے۔ اور اس سلسلے میں انہوں نے اپنے ایکسپرٹ کو استعمال کیا ہے۔ میری تجویز یہ ہے کہ یہ پروجیکٹ بھی بی۔ڈی۔اے۔ کے حوالے کر دیا جائے۔ میں سوچتا ہوں کہ چالیس کروڑ روپے کا پروجیکٹ ہے۔ اس کے لئے ہمارے پاس اور

ہمارے صوبے کے پاس اچھے اچھے ایکسپرٹ نیک اور دیانت دار آفیسر موجود ہیں کیا وہ راجہ احمد خان کو، قاضی اقبال سعید کو، یونیگر صاحب کو سومرد کو اور فتح خان نجک کو اس پروجیکٹ کا ڈائریکٹر نہیں بنا سکتے تھے۔ میں سمجھتا ہوں کہ وہ اس پروجیکٹ میں ایکسپرٹ کمیشن میں کوشش کرتے ہیں کہ کمیشن کس طرح حاصل کی جائے۔ یہ تو بلوچستان کے لئے سراسر زیادتی ہے۔ نہ جانے بھٹو صاحب کہاں کہاں سے اس صوبے کو ترقی دینے کے لئے فنڈ اکٹھا کر کے دیتے ہیں، لیکن جناب! اس رقم کو اس طرح سے خرچ کر دیا جاتا ہے۔ میں وزیر اعلیٰ صاحب سے اور متعلقہ وزیر سے گذارش کرتا ہوں کہ وہ اس پر غور کریں۔ میں نے پہلے بھی کہا تھا کہ آپ اس پر فوراً غور فرمائیں۔ لیکن کسی نے میری بات نہیں سنی۔ میں ان سے کہوں گا کہ وہ ہماری بات سنیں اور اس پر مناسب کارروائی کرنے کی کوشش کریں۔ اس کے علاوہ ہمارا ایک اور بڑا پروجیکٹ مکران میرانی ڈیم کا ہے۔ پہلے پنج سالہ منصوبہ میں اسے شامل کیا گیا۔ اس کے بعد دوسرے پنج سالہ منصوبے میں بھی یہ اسکیم موجود تھی لیکن اسے تیسرے پنج سالہ منصوبے میں کسی نے بھی توجہ نہیں دی۔ پہلے پنج سالہ منصوبے میں ایوب خان کا دور تھا۔ تو اس اسکیم پر کام شروع کروایا گیا تھا۔
جناب والا! میں عرض کر رہا تھا کہ اس صوبے میں کتنا غیر ملکی سرمایہ خرچ ہو رہا ہے۔ اس کو صحیح طور پر خرچ کرنے کی کوشش کیجئے۔ میرانی ڈیم سے دو لاکھ ایکڑ زمین سیراب کی جاسکتی ہے۔ اگر ہم اپنی پیداوار کا تجزیہ بلوچستان سے نہیں بلکہ پورے پاکستان سے کریں تو پنجاب سب سے زیادہ غلہ پیدا کر رہا ہے۔ سندھ کا علاقہ بھی کافی غلہ پیدا کر رہا ہے۔ مگر بلوچستان میں ایسی کوئی اسکیم نہیں ہے۔ اگر آپ ذرا سی توجہ اس پر دیں تو یہاں کی پیداوار ملک کی ترقی کے لئے۔ یہاں کی خوشحالی اور یہاں

کی بہتری کے لئے سود مند ثابت ہو سکتی ہے۔ لیکن آج تک اس پر کسی نے توجہ نہیں دی۔ پہلے پنج سالہ منصوبہ کے بعد کسی شخص نے یہ نہ سوچا کہ دو لاکھ ایکڑ زمین کو پانی دے کر قابل کاشت بنایا جائے۔ میری آپ سے گذارش ہو گی کہ آپ ان تمام چھوٹی چھوٹی چیزوں کو چھوڑ دیں جو بڑی اسکیمیں ہیں۔ بڑے پروجیکٹ ہیں۔ آپ ان کی منصوبہ بندی کریں۔ اور مرکزی حکومت کو آپ اس حد تک مجبور کریں کہ وہ ان کے لئے آپ کو اچھی خاصی رقم دے۔ تیسری بات جناب والا! میں یہ عرض کر رہا تھا کہ بے روزگاری بھی ایک بہت بڑا مسئلہ ہے۔ یہاں بہت سے گریجویٹ ہیں جنہوں نے مختلف کالجوں سے مختلف مضامین میں ایم۔ اے کیا ہے۔ ان میں نہ صرف آرٹس کے لڑکے بے روزگار ہیں بلکہ پروفیشنل کالجوں سے تعلیم حاصل کر کے جو آئے ہیں وہ بھی بے کار ہیں۔ انہیں نوکریاں نہیں مل رہی ہیں۔ جناب پاکستان میں جتنے بھی نیم سرکاری ادارے ہیں۔ ان تمام میں ہر صوبہ کا کوٹہ ہے اور فرنٹیئر، پنجاب اور سندھ کا جتنا کوٹہ ہے وہ اسے صحیح طرح استعمال کر رہے ہیں۔ لیکن پتہ نہیں کیوں۔ بلوچستان کا کوٹہ نظر انداز کر دیا گیا ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ ہماری صوبائی حکومت نے اس مسئلہ کو صحیح طریقہ سے نہیں اٹھایا۔ یا نیم سرکاری ادارے کے سربراہان اسے نظر انداز کر رہے ہیں۔ مجھے یاد ہے کہ پچھلی دفعہ وزیر اعظم نے کہا تھا۔ یہ ان کے اپنے الفاظ ہیں کہ کسی صورت میں بلوچستان کو نظر انداز نہیں کیا جائے گا۔ وزیر اعظم کے حکم کے مطابق پہلے بلوچستان کے لوگوں کو لیا جائے گا۔ پھر دوسرے صوبوں کے لوگوں کو ترجیح دی جائے گی۔ لیکن آپ کی اطلاع کے لئے یہ بات بتا دوں کہ اسٹیل مل کارپوریشن میں، پی، آئی، ڈی، سی میں اور پی، آئی، اے۔ میں ہمارے ایک فی صد لوگ بھی نہیں ہیں۔ اسی طرح کراچی پورٹ ٹرسٹ میں ایک آدمی بھی نہیں ہے۔ اگر وہ ایمانداری کے ساتھ ہمارا

حصہ دیں تو ہمارا بے روزگاری کا مسئلہ ختم ہو سکتا ہے، اور یہاں کے لوگوں کو روزگار مل سکتا ہے تو میں اپنی حکومت سے مطالبہ کرتا ہوں کہ وہ اس مسئلہ کو خود مختار اور نیم خود مختار اداروں کے سامنے جلد از جلد اٹھائیں اور مہربانی کر کے ان کے ساتھ رابطہ قائم کریں اور اس طرح بلوچستان کے لوگوں کے جائز حقوق دلوائے جائیں۔ اس کے علاوہ ایک اور مسئلہ ہے جناب جس کا تعلق وفاقی حکومت سے ہے اور وہ ہے بنک کے ملازمین کا۔ بنک ایمپلائز یونین کے لوگوں نے مجھے اپنے مطالبات دیئے ہیں میں اپنے وزیر اعلیٰ سے گذارش کروں گا کہ بلوچستان میں ہمارے بنکوں کے ملازمین کے جائز مطالبات کے متعلق وفاقی حکومت کو لکھیں تاکہ وہ اس پر نظر ثانی اور غور و خوض کریں۔ جناب والا! آخر میں میں یہ عرض کروں گا کہ پاکستان پیپلز پارٹی ایک انقلابی پارٹی ہے حکومت میں آنے کے بعد بھی ہماری پارٹی نے انقلابی کردار کو برقرار رکھا ہے، اور ابھی آنے والے انتخابات کے لئے بھی ہمارا جو منشور بن رہا ہے وہ اور بھی زیادہ انقلابی ہو گا۔ اور ایک سوشلسٹ نظام کے لئے ہماری پارٹی کی تجاویز ہیں۔

جناب والا! جب بنگلہ دیش علیحدہ ہوا تو ملک میں اس قدر مایوسی پھیل گئی تھی کہ وزیر اعظم جناب ذوالفقار علی بھٹو نے اقتدار سنبھالا تو ہر شخص یہ کہہ رہا تھا کہ اب یہ کشتی کس طرح ساحل تک لائی جائے۔ اسے کون کنارے پر پہنچائے گا؟ یہ تو اب ڈوب چکی ہے یا ڈوبنے والی ہے، کیونکہ ملک کا ایک حصہ کٹ چکا تھا، اور باقی ماندہ مغربی پاکستان کے چار حصوں میں بھی بدامنی تھی، امن و امان کے مسائل درپیش تھے، بعض لوگ پاکستان کو مزید توڑنا چاہتے تھے اور پاکستان میں رہنے کے لئے تیار نہیں تھے، ملک کا ستیاناس ہونے والا تھا۔

اور ملک کے سیاست دان بھی بھاگ رہے تھے۔ اور ہر شخص سنجیدہ تھا ملک کے بارے میں یہی بات ہو رہی تھی کہ اب اس کی بقاء کا کیا بنے گا؟ لیکن یہ سہرہ بھی صرف پیپلز پارٹی کے سر ہے کہ قائد عوام جناب ذوالفقار علی بھٹو کی قیادت میں ہم نے سب سے پہلا کام یہ کیا کہ لوگوں میں، جو مایوسی تھی اس کو ختم کیا۔ اور لوگوں میں اعتماد بحال کیا۔ کیونکہ لوگوں کے اندر اعتماد بحال کرنے کی ضرورت سب سے زیادہ تھی۔ جناب والا! آپ کو یاد ہوگا کہ اقتدار سنبھالنے کے وقت ملک کی اقتصادی صورت حال بڑی حد تک بگڑ گئی تھی اور اس کو مضبوط کرنا تھا۔ چنانچہ قائد عوام جناب ذوالفقار علی بھٹو نے اڑتالیس گھنٹوں کے اندر اندر اسلامی ملکوں کا چکر لگایا۔ ہر ملک اور ہر علاقے میں گئے۔ اور ہر جگہ ایک ایک گھنٹہ ڈیڑھ ڈیڑھ گھنٹہ صرف کیا۔ یعنی ایک گھنٹہ دوبئی، ایک گھنٹہ قطر۔ اس طرح ابوظہبی، لیبیا، کویت میں رہے اور اڑتالیس گھنٹوں کے دوران انہوں نے تمام اسلامی ملکوں کا دورہ کیا۔ ہم شکر گزار ہیں۔ اپنے برادر اسلامی ملکوں کے کہ جنہوں نے قائد عوام جناب ذوالفقار علی بھٹو کے ساتھ تعاون کیا۔ پاکستانی عوام کے ساتھ بھی تعاون کیا۔ پاکستان کی اقتصادیات کو مضبوط کرنے پر پوری توجہ دی اور ہماری کافی مدد کی۔

جناب والا! پچھلے دنوں میں اس اسمبلی میں ایک قرار داد پیش ہوئی تھی۔ جو کہ کانوں کو قومی ملکیت میں لینے کے بارے میں تھی۔ تو میں نے اس سے پہلے بھی عرض کیا تھا کہ جہاں تک قومیانے کا تعلق ہے تو وہ ہماری پارٹی کے منشور میں موجود ہے۔ جناب ہماری پارٹی ایک انقلابی پارٹی ہے۔ اور ایسی پارٹیوں میں یعنی سوشلسٹ پارٹیوں میں قومیانے کی بات ہمیشہ کی جاتی ہے۔ لیکن اس وقت پاکستان کے حالات کچھ اس طرح ہیں اور ہمارا ملک ایک ایسے دور سے گزر رہا ہے کہ ہم جو کچھ کر رہے ہیں

سوچ سمجھ کر کرنا پڑے گا، ہماری پارٹی سوشلسٹ ہے اس لئے اقتدار سنبھالتے ہی پاکستان پیپلز پارٹی نے بڑی بڑی اور بھاری صنعتوں کو قومی ملکیت میں لے لیا تھا۔ بنکوں کو قومی ملکیت میں لیا گیا۔ بیمہ کمپنیوں کو قومی ملکیت میں لیا گیا۔ اس سے واضح طور پر پتہ چلتا ہے کہ ہماری پارٹی سوشلسٹ ہے۔ اور قومیانے کے بارے میں پورا یقین رکھتی ہے۔ جہاں تک مائینز کا تعلق ہے تو میں اس کی کھلی حمایت کرتا ہوں۔ اس لئے مجھے پتہ ہے کہ جب بھی مناسب وقت آئے گا اور حالات اجازت دیں گے ہماری پارٹی کانوں کو قومی ملکیت میں لے لے گی۔ اس کے علاوہ جناب والا! میں یہ عرض کرتا ہوں کہ بلوچستان صدیوں سے پرانے سرداری نظام اور قبائلی نظام میں جکڑا ہوا ہے۔ اس وقت جو حالات بلوچستان میں ہیں۔ میں نہیں سمجھتا کہ کوئی ہوشمند یا کوئی سمجھ دار اور تعلیم یافتہ آدمی ہماری حکومت کی مخالفت کرے۔ اس لئے یہ دو نظاموں کے درمیان جھگڑا ہے۔ یہ ایک نئے اور فرسودہ نظام، ٹکرائے ہوئے نظام کے درمیان جنگ ہے۔ ایک طرف نیا نظام ہے۔ جو اس ملک کے غریب عوام کی حفاظت چاہتا ہے۔ اور دوسری طرف ایک فرسودہ نظام ہے۔ جو لوگوں کو غلامی کی زنجیروں میں جکڑے رہنا چاہتا ہے لہذا یہ جھگڑا نئے اور پرانے نظاموں کے درمیان ہے اور اس مسئلے کو اوچھا کیا جا رہا ہے۔ میں جانتا ہوں کہ سردار، نواب اپنی لیڈرشپ اور اپنی اجارہ داری اور مفاد کے لئے بلوچستان تو کیا وہ پورے ملک کو خاطر میں نہیں لاتے۔ ان کو نہ پاکستان عزیز ہے نہ بلوچستان کے لوگ عزیز ہیں۔ وہ اپنے ذاتی مفاد کی خاطر ہر چیز کی قربانی کے لئے تیار ہیں۔

سردار محمد انور جان کھیتران:-

(پوائنٹ آف آرڈر) اُس

کے نام لیں، یہ تو آپ نے ایک عادت بنا لی ہے کہ سردار یہ کر رہے ہیں سردار وہ کر رہے ہیں ....

میر صابر علی بلوچ:- سردار صاحب! آپ تشریف رکھیں میں اُن کے نام لیتا ہوں، خدانخواستہ میرا مطلب آپ سے تو نہیں ہے، آپ تو ہم میں سے ہیں ....

نوابزادہ تیمور شاہ جوگیزئی:- بلوچستان کو پاکستان میں ان سرداروں نے ہی شامل کیا ہے، آپ لوگ اس وقت کہاں تھے، شاہی جرگہ کے ممبر سب سردار ہی تھے، جنہوں نے پاکستان کے حق میں ووٹ دیا تھا، ورنہ وہ ہندوستان میں چلے جاتے۔ اب آپ لوگ پیدا ہو گئے ہیں اور کہتے ہیں ....

(مداخلتیں)

یہی جام صاحب اور نواب رئیسانی صاحب ہیں جنہوں نے پاکستان بنایا ہے،

(مداخلتیں)

مسٹر اسپیکر:- شورمت کیجئے، ان کو بولنے دیں،

میر صابر علی بلوچ :-

یہ کہا گیا ہے کہ ان کا نام لیا جائے ۔

(مداخلتیں)

توجناب یہ دو نظاموں یعنی پرانے اور نئے نظام کے درمیان جھگڑا ہے۔ بلوچستان کے لوگ ایک ترقی پذیر معاشرہ اور ایک سوشلسٹ نظام کے قیام اور پاکستان کے اندر رہ کر ایک سرسبز و شاداب بلوچستان کے لئے لڑ رہے ہیں اور وزیراعظم جناب ذوالفقار علی بھٹو کی قیادت میں بلوچستان کے لوگ ایک سرسبز و شاداب بلوچستان کے لئے لڑ رہے ہیں، وہ ایک ایسے آزاد سوشلسٹ معاشرہ کے لئے ایک ایسے نظام کے لئے لڑ رہے ہیں۔ جہاں کسی کو کسی پر زیادتی کرنے اور کسی کو کسی دوسرے کا استحصال کرنے کی جرأت نہ ہو۔ یہ لوگ ایک ایسے ماحول کے لئے جنگ کر رہے ہیں۔ جہاں کوئی دھاندلی نہ ہو اور میں آپ کو یقین سے کہتا ہوں کہ جناب والا! آخرکار جیت ملک کے غریب عوام کی ہوگی۔ اور ان کی جیت ہو جانے پر یہاں ایک ایسا ماحول اور ایک ایسی سوسائٹی ہوگی کہ جہاں نہ کوئی کسی کا استحصال کرے گا اور نہ اس کی ضرورت پڑے گی۔

اس کے علاوہ جناب! میں یہ عرض کروں گا کہ جب نیپ کی حکومت کو ختم کیا گیا، تو لوگوں نے سکھ کا سانس لیا، کیونکہ نیپ کی حکومت نے نیپ کے لوگوں نے، نیپ کے سرداروں نے جو ظلم و تشدد بلوچستان کے لوگوں پر کیا وہ اسے کبھی نہیں بھولیں گے۔ انتخابات کے دوران نیپ کے سرداروں نے اپنے علاقوں میں جا کر کہا، جالاوان میں کہا کہ ہم شسٹنگ ختم کر دیں گے۔ لیکن جب یہ ممبران صوبائی اسمبلی اور ممبران قومی اسمبلی بنے اور لوگوں

نے ان سے جاکر کہا تو کہنے لگے کہ ہم چونکہ اقتدار میں نہیں ہیں ۔ اس لئے کس طرح ختم کر سکتے ہیں ۔ اس کے بعد جب وہ اقتدار میں آئے اور لوگوں نے جاکر کہا کہ اب تو اسے ختم کر دو تو جناب والا ! صرف جاؤ اور مشکے کے علاقے سے چار سو آدمیوں کو جیلوں میں بند کر دیا گیا ۔ تو شُشک کو ختم کرنے کا وعدہ پیپلز پارٹی نے نہیں کیا تھا ۔ بلکہ نیپ والوں نے کیا تھا کہ جب ہم برسر اقتدار آئیں گے تو اس مسئلے کو ہمیشہ کے لئے ختم کر دیں گے ۔ لیکن اس کا سہرا بھی پیپلز پارٹی کو ، ہماری پارٹی کے چیئرمین کو اور ہمارے چیف کو جاتا ہے کہ اس نے اس مسئلے کو ختم کر دیا ۔ چونکہ یہ ناجائز چیز تھی ۔ اس کا اثر غریب عوام پر پڑتا تھا تو اس کو ایک آرڈیننس کے ذریعے ، مارشل لاء کے آرڈیننس کے ذریعے ختم کر دیا گیا ۔ اس کے بعد جناب جب ان کی حکومت ختم ہوئی اور ہماری پارٹی نے اقتدار سنبھالا ۔ تو میں یہ بات یقین سے کہوں گا کہ نو مہینے ایک سال نیپ کی حکومت کا دور رہا اور اب ایک سال کچھ عرصہ ہماری حکومت کو ہوا ہے تو آپ اس دور کا اور آج کے دور کا مقابلہ کر لیں کہ کتنی ترقی اس دور میں ہوئی تھی اور کتنی ترقی آج ہو رہی ہے ۔ میں یہ نہیں کہتا کہ میں اپنی حکومت کے ہر کام سے مطمئن ہوں لیکن یہ بات یقین سے کہتا ہوں کہ ہماری موجودہ حکومت اور جام صاحب کی وزارت میں جتنے بھی وزیر ہیں وہ سب بڑے خلوص کے ساتھ کوشش کر رہے ہیں کہ اس ملک کی ترقی کے لئے کچھ کریں ۔ لیکن اس کے باوجود بھی کچھ مسائل ہیں اور وہ مسائل بیوروکریٹ کے ہیں ۔ کیونکہ اب وہ یہ محسوس کر رہے ہیں کہ شاید اب ان کا اقتدار ختم ہو رہا ہے ۔ اس لئے وہ نہیں چاہتے کہ سیاسی حکومت صحیح معنوں میں کام کرے ۔ وزراء حکم دیتے ہیں لیکن ان کے حکم کی کوئی تعمیل نہیں ہوتی ۔ وزراء تجاویز دیتے ہیں لیکن ان کی تجاویز کو کوئی نہیں مانتا ۔ تو یہ سوچی سمجھی اسکیم ہے ۔ میں خدا کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ جس طرح

ہماری یہ موجودہ حکومت پرخلوص ہے۔ جس طرح کہ ہمارے حیام صاحب پرخلوص ہیں۔ جس طرح ہمارے ریکسانی صاحب پرخلوص ہیں۔ اور جس طرح کہ ہمارے پراچہ صاحب پرخلوص ہیں۔ اگر اس خلوص کے ساتھ افسر شاہی بھی ان کے ساتھ تعاون کرے۔ ان کی مدد کریں اور بلوچستان کی ترقی کے لئے کام کریں۔ تو بلوچستان کا نقشہ ہی بدل جائے گا۔

جناب والا! نیپ کی حکومت کے زمانے میں لا اینڈ آرڈر بھی ایک بہت بڑا مسئلہ تھا۔ کوئی شریف آدمی مغرب کے بعد اپنے گھر سے نہیں نکل سکتا تھا۔ لیکن یہ ہماری موجودہ حکومت کا کارنامہ ہے کہ اس نے لا اینڈ آرڈر کے مسئلے پر قابو پالیا ہے۔ اور اب ہر شخص اپنے گھر میں صحیح معنوں میں سو سکتا ہے۔

جناب والا! میں آخر میں یہ عرض کروں گا کہ ایسے دور میں ایسے حالات میں اس بجٹ سے بہتر کوئی بجٹ نہیں بنایا جا سکتا تھا۔ میں محسوس کرتا ہوں کہ کافی سوچ بچار اور غور و فکر کے بعد اس بجٹ کو بنایا گیا ہے اور ان حالات میں اس سے اچھا کوئی بجٹ نہیں بن سکتا تھا۔ اور میں اس سلسلے میں اپنے وزیر اعلیٰ اور وزیر خزانہ کو مبارکباد دیتا ہوں کہ جنہوں نے موجودہ حالات کا مقابلہ کرتے ہوئے محنت سے بجٹ بنایا ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ ان سے التجا کرتا ہوں کہ مرکزی حکومت کی طرف سے جو امداد مل رہی ہے برائے مہربانی اس کو صحیح طریقے سے استعمال کیا جائے اور ہماری حکومت میں جو بھی بدعنوان لوگ ہیں ان کے خلاف کارروائی کی جائے اور اس کے لئے ہماری حکومت نے بدعنوانیوں کے خلاف جو مہم چلا رکھی ہے، تو میں عرض کروں گا یہ بہت اچھی بات ہے کہ جتنے بھی بدعنوان لوگ ہیں، ان کا گھیراؤ کیا جائے، لیکن اس بات کی بھی اجازت

نہ دی جائے کہ کسی سرکاری ملازم کے خلاف دشمنی کی بناء پر کارروائی کی جائے۔ کیونکہ بعض لوگوں کے ذاتی جھگڑے ہوتے ہیں۔ وزراء یا وزراء کے رشتہ داروں کے ساتھ سرکاری افسران کے جھگڑے ہوتے ہیں تو کم از کم ذاتی اختلافات کی بنا پر کسی کے خلاف کارروائی نہ کی جائے بلکہ جو صحیح معنوں میں بدعنوان لوگ ہیں ان کے خلاف کارروائی کی جائے۔ آخر میں جناب! میں آپ کا شکریہ ادا کرتا ہوں کہ آپ نے مجھے بولنے کا موقع دیا۔

شکریہ

نوابزادہ تیمور شاہ جوگیزائی:۔ میں کچھ کہہ سکتا ہوں؟

مسٹر اسپیکر:۔ آپ تقریر کر چکے ہیں۔

نوابزادہ تیمور شاہ جوگیزئی:۔ تقریر تو کر چکا ہوں۔ اب پوائنٹ آف آرڈر پر بولنا چاہتا ہوں۔

مسٹر اسپیکر:۔ آپ تقریر کر چکے ہیں۔ اس لئے بولنے کی ضرورت نہیں۔

نوابزادہ تیمور شاہ جوگیزئی:۔ میں صابر صاحب کو جواب دوں گا۔

مسٹر اسپیکر:۔ نہیں اب آپ جواب نہیں دے سکتے

میر صابر علی بلوچ:۔ آپ کو کیا بات کرنا ہے ؟

مسٹر اسپیکر:۔ ابھی میں نے منع کر دیا ہے۔ پھر آپ کیوں دوبارہ اٹھاتے ہیں

میر صابر علی بلوچ:۔ جناب والا ! عرض یہ ہے کہ نواب صاحب کو اگر مجھ سے کچھ شکایت ہے تو ....

مسٹر اسپیکر:۔ یہ بات تو آپ باہر بھی کر سکتے ہیں ۔ اب کوئی اور صاحب بجٹ پر بولنا چاہتے ہیں ۔

وزیر اعلیٰ :-

میں آپ سے درخواست کروں گا کہ اب ایوان کی کارروائی ملتوی کر دی جائے کیونکہ اب صرف تین ممبر رہ گئے ہیں ۔ ممکن ہے محمود خان اچکزئی صاحب بولیں اور اس طرف سے ایک میں ہوں اور دوسرے وزیر خزانہ ۔

مسٹر اسپیکر :-

اب چونکہ آج کوئی بولنے والا نہیں ہے اس لئے اس ایوان کی کارروائی کل صبح دس بجے تک کے لئے ملتوی کی جاتی ہے ۔

(ایوان کی کارروائی بارہ بجکر ... منٹ پر مورخہ ۲۵ جون صبح دس بجے تک کے لئے ملتوی ہو گئی)